جلد 14 شمارہ 6 مئی 2012ء جمادی الثانی 1433ھ

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا

اللہ

محبت

صداقت

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

ہے عرش بھی نیچا جو ہو پرواز مسلسل

ماہنامہ

فلاحِ آدمیت

منشور دعوت

إِنَّمَا ذَٰلِكُمُ الشَّيْطَانُ يُخَوِّفُ أَوْلِيَاءَهُ فَلَا تَخَافُوهُمْ وَخَافُونِ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ

(ال عمران-175)

ترجمہ

یہ تو شیطان ہے جو اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے۔ اگر تم مومن ہو تو اِن سے مت ڈرنا اور مجھی سے ڈرتے رہنا۔

ماہنامہ
گوجرانوالہ

فلاحِ آدمیت

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان
کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

بیاد خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ
بانی سلسلہ

نگران و سرپرست
محمد صدیق ڈار توحیدی صاحب
شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ
Mob: 0300-6493335

مدیر : احمد رضا خان

نائب مدیر : سید رحمت اللہ توحیدی

تقسیم کنندہ : نعمان احمد
0300-6452570

ڈیزائنگ اینڈ کمپوزنگ : شہباز علی برادر محمد رفیق

شیخ سلسلہ و مدیر سے رابطہ کے لئے

مرکز تعمیر ملت (ڈاکخانہ سیکنڈری بورڈ)
وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ
Ph:055-3862835
055-4005431

رابطہ مدیر: **0321-6400942**
فیکس نمبر: **+92-55-3736841**
ای میل: ***info@toheedia.net***

قیمت شمارہ ———— 30/- روپے
سالانہ فنڈ ———— 300/- روپے

پبلشر عامر رشید انصاری نے معراج دین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

اس شمارے میں

دل کی بات

خالق کائنات کی طرف سے بے نقص وعیب اور دائمی تعلیمات آ جانے کے بعد انسان کا ردِّعمل دو ہی طرح کا ہو سکتا ہے، مان لینا یا انکار کر دینا۔ مان لینے یا انکار کرنے میں انسان کو پورا اختیار ملا ہے، کوئی جبر روا نہیں رکھا گیا۔ ان تعلیمات کو مان لینے والے مسلمان اور ان کا انکار کرنے والے غیر مسلم ہیں۔ دائرہ اسلام میں آ جانے کے بعد مسلمانوں کا اسلامی تعلیمات کے بارے میں روّیہ تین طرح کا نظر آتا ہے۔ ان اسلامی تعلیمات کو کماحقہ، مان لینا، ان تعلیمات میں تفریط سے کام لیتے ہوئے کمی کرنا، اور افراط سے کام لیتے ہوئے اضافہ کرنا۔

حکم الٰہی اور اطاعت سرورِ کونین ﷺ تو یہی ہے کہ ان تعلیمات کو بغیر کسی کمی بیشی کے کماحقہ، مان کر عمل پیرا ہوا جائے، مگر اُمت مسلمہ کی ایک بڑی اکثریت نے افراط وتفریط پر مبنی عقائد ونظریات رنگین اور دلنشین پیرائے میں ڈھال کر اپنی راہیں ایجاد کر لی ہیں، جن کے انجام پر بات کرنا کم از کم ہمارا موضوع نہیں۔ فی الوقت عنوان اسلام کے پہلے اور بنیادی عقیدہ ”عقیدۂ توحید“ پر بات کرنا ہے۔

دنیا میں جتنے بھی انبیاء ورُسل تشریف لائے سب نے صرف اور صرف اللہ کی بندگی میں آنے کی تعلیم دی۔ ایسی بندگی جو خالص اللہ کیلئے ہو، جس میں کوئی دوسرا کسی انداز سے کبھی کسی طرح شریک نہ ہو۔ ان بزرگ وبرتر ہستیوں نے اپنی ساری کاوشیں اسی مقصد پر صرف کیں۔ یہی دعوت سب سے آخر میں سرورِ کائنات رحمۃ اللعالمین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ لائے۔ آپ ﷺ کی اطاعت اللہ کی اطاعت اور آپ ﷺ کا اسوۂ حسنہ تا قیامت مشعل راہ ٹھہرا۔ جس میں نہ کمی کی گنجائش ہے نہ زیادتی کی۔ یہ اسوۂ حسنہ ہر لحاظ سے متوازن اور وہی ہے جو خود ربِّ کائنات چاہتا ہے۔

عقیدۂ توحید کے ضمن میں یہ بات تو اٹل ہے کہ مسلمان خالق ومالک تسلیم کر کے عبادت صرف اللہ کی کرتا ہے جس سے اسے دستبردار کرنے کیلئے کوئی دلیل کارگر نہیں ہو سکتی۔ یہ بھی واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں تفریط کا باب اُمت مسلمہ پر ہمیشہ بند ہے۔ اسی طرح

براہ راست افراط کر کے مسلمان کو شرک کے لئے بھی آمادہ نہیں کیا جا سکتا۔ تاہم افراط و تفریط کے مکارانہ وار مسلمان کو شرک کی راہ پر اس انداز سے چلا دیتے ہیں جو اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتا مگر عملی طور پر شرک ہو رہا ہوتا ہے۔

عقیدۂ توحید انتہائی مختصر تو یہی کافی ہے کہ اللہ خالق اور باقی سب مخلوق ہیں، وہ وحدہٗ لاشریک ہے اور کوئی اس کا ہمسر نہیں۔ کتاب اللہ یعنی قرآن مجید نے بھی اسی پر مہر تصدیق ثبت کی ہے اور نبی آخرالزمان حضرت محمد ﷺ نے بھی یہی پیغام رہتی دنیا تک کے انسان کو پہنچایا ہے۔ اس سب کے باوجود عقیدۂ توحید پر مکارانہ اور فریب خوردہ وار اس انداز سے ہوئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو بالکل زیر بحث نہیں لایا گیا۔ کہیں حضور نبی کریم ﷺ کی ذات کو اس انداز سے بیان کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں شرک کا ارتکاب ہوتا ہے۔ کہیں حضرت علیؓ، حضرت حسنؓ، اور حضرت حسینؓ کے نام پر خود ساختہ اور من پسند قول، بول کر شرک کا ارتکاب کیا جاتا ہے۔ کہیں تصوف کے سلاسل کے نام پر پیر پرستی اور قبر پرستی کی صورت میں شرک ہوتا ہے۔ کون نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے، باقی سب مخلوق ہیں۔ خالق اور مخلوق کا موازنہ نہیں ہو سکتا۔ مخلوق میں سب سے افضل، بزرگ و برتر، اور محبوب سرورِ دو جہاں حضرت محمد ﷺ ہیں۔ حضرت علیؓ اور دیگر اصحاب حضور نبی کریم ﷺ کے خاندان سے آپ ﷺ کے پیروکار، محبوب، اور صحابی ہیں۔ پیر پوجا، قبروں کو سجدے، ان سے منتیں، ادب آداب میں غلو برتنا سب گمراہ کن اور مشرکانہ عقائد ہیں جن کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ انہیں باتوں کے پیشِ نظر حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے اپنے سلسلۂ تصوف کا نام ہی 'توحیدیہ' رکھا تاکہ سلسلہ کے ہر مرید کو ہر وقت یہ یاد رہے کہ میں بحیثیت ایک سچے مسلمان کے خالص توحید کا ماننے والا ہوں۔' آپؒ نے مزید واضح کیا کہ توحید سے ہماری مراد وحدت الوجود ہرگز نہیں، ہماری توحید تو سیدھی سادی وہ توحید ہے جو قرآن میں بتائی گئی ہے۔ آپؒ نے اپنی پوری زندگی اسی توحید کی تعلیم کیلئے وقف کر دی۔ اللہ کی تائید و نصرت سے ہزاروں سالکین کی اصلاح کا فریضہ سرانجام دیا۔

معاشرہ کے ہر طبقہ سے تعلق رکھنے والے لوگ آپؒ کی صحبت میں آئے اور خالص توحیدی فیض سے اپنے قلب و روح کو منور کرتے رہے۔کئی افراد نے آپؒ کے دست شفقت پر بیعت ہو کر شرک وتفریق سے پاک اور اطاعتِ رسول مقبول ﷺ سے مزین سلسلہ عالیہ توحیدیہ میں راہ طریقت پر بطور سالک اپنے روحانی سلوک کا آغاز کیا اور حسب نصب روحانیت کی اعلیٰ وارفع نعمتوں سے سرفراز ہوئے۔آپؒ نے اپنے مریدین کے سال میں ایک مرتبہ مل بیٹھنے کیلئے سالانہ کنونشن کی روایت ڈالی۔بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی سالانہ کنونشن کی اس روایت کو موجودہ شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب توحیدی مدظلہ، نے اسی انداز سے زندہ رکھا ہے۔سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا یہ سالانہ کنونشن ہر سال ماہ اپریل میں ہوتا ہے۔ یہ کنونشن سیاسی جماعتوں کے اجتماعات اور دوسرے روحانی سلاسل سے یکسر مختلف ہوتا ہے۔ اس میں صرف یک رنگ مریدین سلسلہ اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔یہ کنونشن ہی سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی سب سے بڑی اجتماعی سرگرمی ہے کیونکہ سلسلہ عالیہ توحیدیہ میں قبروں، مزاروں پر ہونے والے کسی قسم کے اجتماعی پروگرام کا نہ ہی تصور ہے اور نہ ہی بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ اسے پسند فرماتے تھے۔سالانہ کنونشن کئی طرح سے انفرادیت کا حامل ہے۔سب سے اعلیٰ وارفع اس کی مقصدیت ہے۔تمام تر شرکاء صرف اور صرف اللہ کے قرب، عرفان، لقاء اور دیدار کے حصول کی خواہش اور مقصد کیلئے اکٹھے ہوتے ہیں۔سب کے دل و دماغ سے صرف ایک ہی خواہش فرش سے عرش الٰہی تک جاتی ہے اور وہ ہے" اللہ "۔یہاں بات دل و دماغ سے نکلنے والی خواہش کی ہوئی ہے نہ کہ آواز کی۔آواز تو الفاظ کی ہوتی ہے اگر باقی بھی رہے تو کیا حاصل۔یہاں مقصود تو فی نفسہ ذات "اللہ" ہے جس کی طلب و جستجو کیلئے خواہش ہی زیادہ موزوں ہے۔اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں کنونشن کے فیوض و برکات سے استفادہ حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العالمین۔

احمد رضا خان

نماز

(خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ)

نماز ہماری سب سے زیادہ اہم اور لازمی عبادت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں جتنی تاکید نماز کی فرمائی ہے اور کسی عبادت کی نہیں فرمائی۔ نماز کے فوائد بے شمار ہیں لیکن ہم صرف چند بڑے بڑے فوائد کے بیان پر اکتفا کریں گے۔ یہ فوائد دو گونہ ہیں، یعنی نماز نہ صرف ہمارے روحانی ارتقاء کا باعث ہوتی ہے بلکہ دنیاوی زندگی کو سدھارنے اور کامیاب بنانے میں بھی انفرادی اور اجتماعی دونوں حیثیتوں سے بے انتہا مدد دیتی ہے۔

1- نماز صحیح انسانی کردار پیدا کرتی ہے

اسلام کا بنیادی اصول اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان رکھنا ہے اور یہ ایمان اگر ہمارے پچیس فیصدی آدمیوں میں بھی کامل درجے کا ہو تو ہماری قوم ہرگز پستی کی حالت میں نہیں رہ سکتی۔ ایمان کی شناخت بھی ہم نے بتائی تھی اور وہ یہ کہ مومن نہ تو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور سے ڈرتا ہے نہ کوئی توقع رکھتا ہے۔ لیکن آپ غور کریں تو معلوم ہوگا کہ ایسا آدمی جو نہ تو کسی سے ڈرتا ہو نہ کوئی توقع رکھتا ہے دوسرے آدمیوں کے ساتھ مل جل کر نہیں رہ سکتا۔ معاشرہ میں ہر ایک انسان دوسرے انسان سے کوئی نہ کوئی توقع اور کسی نہ کسی قسم کا خوف ضرور رکھتا ہے، بغیر اس کے معاشرہ کا نظام قائم ہی نہیں رہ سکتا۔ اس لئے جو شخص بالکل نڈر، بے باک اور بے غرض ہو وہ سوسائٹی میں بالکل ایک جانور یا درندے کی طرح ہوگا اور کسی سے تعاون نہ کر سکے گا۔ ظاہر ہے کہ اگر کسی قوم میں سارے ہی آدمی ایسے ہوں تو وہ قوم کبھی بھی ایک جماعت میں منظم اور مربوط نہ ہو سکے گی۔ اس دشواری کا علاج اللہ تعالیٰ نے نماز سے کیا ہے۔ نماز کیا ہے؟ ہمہ تن عجز و انکساری اور خشوع و خضوع۔ غلاموں کی طرح ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونا، چوپایوں کی طرح رکوع میں جھکنا اور کیڑے مکوڑوں کی طرح زمین پر ماتھا اور ناک رگڑنا، ہمہ تن عجز و انکساری نہیں تو اور کیا ہے؟

اس طرح مومن کے کردار میں بے خوفی اور بے تعلقی کی وجہ سے جو خشونت اور درشتی پیدا ہوتی ہے وہ پانچ وقت کی نماز میں اس عجز و انکساری کی عملی مشق کرنے سے مائل بہ اعتدال ہو جاتی ہے اور ایک ایسا معتدل کردار پیدا ہو جاتا ہے جو انسان کامل ہی کا ہو سکتا ہے۔ جماعت کی نماز سے اس کے کردار کی تعمیر میں اور بھی زیادہ مدد ملتی ہے۔ جب تمام آدمی اپنے ہی جیسے ایک آدمی کے پیچھے بلا امتیاز کمتری و برتری صف بستہ ہو کر ایک ہی طرح کی حرکتیں دن میں پانچ مرتبہ کرتے ہیں تو ان میں ایک دوسرے کے ساتھ موالفت و موانست کے جذبات پیدا ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔

یوں سمجھنا چاہیے کہ گویا تو حید ایک زہر ہے اور نماز ایک ایسا بدرقہ جو اسکی تمام خرابیوں کو دور کر کے مذ بر کر دیتا ہے اور کون نہیں جانتا کہ جب زہر مدبر ہو جائے تو اس سے بہتر کوئی دوا نہیں۔ یا یوں کہیے کہ بہت سے شیر صفت انسان ایک جگہ اکٹھے ہو کر عجز و انکسار اور محبت و پیار کی تربیت حاصل کرتے ہیں اور ان میں وہ کردار پیدا ہو جاتا ہے جو

اَشِدَّ اءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ (الفتح 29)

کی تفسیر مجسم ہوتا ہے۔ ایسے افراد کے کردار کی قوت اور لچک کا اندازہ آج کل کے بڑے سے بڑے ماہر نفسیات بھی نہیں کر سکتے پھر ان کی جماعت کے کردار کا تو ذکر ہی کیا۔ یہی وہ لوگ ہیں کہ ایک طرف تو کسی کی غلامی قبول نہیں کر سکتے، دوسری طرف کبھی کسی پر ظلم نہیں کرتے۔

-2 نماز ڈسپلن پیدا کرتی ہے

جو ایک اعلیٰ جماعت کی مکمل تنظیم و ارتباط کے لئے ناگزیر ہے۔ نماز با جماعت میں وقت اور حرکات و سکنات کی پابندی اور امام یا لیڈر کے اشاروں کی متابعت اشد ضروری ہے۔ یہ نہ ہو تو نماز فاسد ہو یا ساقط ہو جاتی ہے۔ ڈسپلن کیا ہے؟ ضابطہ اور قواعد کی پوری پابندی اور لیڈر یا کمانڈر کے حکم کی بے چون و چرا تعمیل۔ کیا نماز میں پانچ وقت انہی باتوں کی عملی مشق نہیں کرائی جاتی؟ یا یہ باتیں نماز کی نسبت کسی اور طریقے سے زیادہ اچھی طرح حاصل ہو سکتی ہیں یا دنیا کا کوئی مذہب ایسی پر از عمل و حکمت و عبادت کی مثال پیش کر سکتا ہے۔

3- نماز تنظیم کا ذریعہ ہے

اسلام نے نماز کی ترکیب ایسی مکمل اور پُراز حکمت رکھی ہے جس کی مثال نہیں۔ پہلے چھوٹی چھوٹی جماعتں کی تنظیم ودر بیت محلّہ کی مسجدوں میں ہوتی ہے، پھر تمام شہر کے مسلمانوں کی مساجد جامع میں، پھر شہر و مضافات کے مسلمانوں کی عید گاہوں میں آخر کار تمام دنیا کے مسلمانوں کی بیت اللہ میں۔ یہ ایک ایسا مکمل نظام اور بنی بنائی تنظیم ہے جس سے فائدہ اٹھانا کچھ بھی مشکل نہیں۔ سوچنے کی بات ہے کہ جو لوگ اس طرح مذہبی تقدس وخلوص کے ساتھ جمع ہوتے ہیں ان کے دل محبت اور اخوت اور باہمی تعاون، عمل کے جذبات سے کبھی عاری نہیں ہو سکتے۔ تو کیا ان اجتماعات میں قومی مذلب دپستی کی وجوہات پر غور وخوض کر کے آئندہ ترقی کا کوئی منصوبہ بنالینا اور اس پر عمل درآمد کر گزرنا کوئی محال یا مشکل کام ہے۔ یہ کام صرف ہمارے مذہبی اور سیاسی رہنما ہی کر سکتے ہیں۔ اگر وہ ایسا کریں تو ان کا ذاتی اقتدار اور مرتبہ اور بھی زیادہ بلند ہو جائے گا، محنت اور خلوص البتہ درکار ہے۔

4- نماز قوت عمل پیدا کرتی ہے، کس طرح؟

صبح کو جب نرم گرم بچھونوں میں میٹھی میٹھی نیند تھپک تھپک کر سلانے کی کوشش کرتی ہے خدائے ذوالجلال کے دربار میں حاضری کا خیال مسلمان کو بستر سے اٹھا کر کھڑا کر دیتا ہے اور وہ ضروریات سے فارغ ہو کر غسل یا وضو کر کے مسجد میں چلا جاتا ہے اور نماز میں اپنے خالق و مالک کی حمد وثناء کرتا ہے، جس نے رات آرام سے گزاری اور جیتا جاگتا کھڑا کیا۔ یا ظہر کے وقت جب صبح سے کام کرتے کرتے تھک جاتا ہے اور سوائے کھانا کھانے یا آرام کرنے کے اور کسی بات کو دل نہیں چاہتا تو وہ اپنی قوت ارادی سے بھوک اور تھکان کے تمام احساسات کو مغلوب کر کے نماز پڑھتا ہے۔ یا عصر و مغرب کے وقت جبکہ تمام دن کی محنت ومشقت سے بدن چور چور اور طبیعت آرام کی طالب ہوتی ہے، وہ سستی وکاہلی کو لات مار کر مسجد میں جاتا ہے اور خالق ارض وسما

کے آگے سجدہ ریز ہو جاتا ہے۔اسی طرح عشاء کی نماز کے وقت جبکہ ہاتھ پاؤں کام کرنے سے انکار کر دیتے ہیں اور نیند کا غلبہ ہوتا ہے اور وہ قوت ارادی سے سوتے ہوئے حواس کو جگاتا اور نماز ادا کر کے اس رحمٰن ورحیم کا شکر بجالاتا ہے جس نے دن میں اس کو کام کرنے کی قوت عطاء کی اور طرح طرح کی نعمتوں سے سرفراز کیا۔اس پنج وقتہ عمل سے قوت ارادی طاقتور ہوتی ہے اور عمل کی طاقت ترقی کرتی چلی جاتی ہے۔چستی پیدا ہوتی ہے، دماغ تیز ہو جاتا ہے اور صحت اچھی رہتی ہے رات کو عام طور پر کھانا خوب کھایا جاتا ہے۔اکثر آدمی کھانا کھاتے ہی لیٹ جاتے ہیں، چلنے پھرنے کا کوئی کام نہیں کرتے جس سے سوءِ ہضم اور دائمی قبض پیدا ہوتا ہے۔اگر وہ کچھ بھی نہ کریں مسجد تک جا کر صرف سترہ رکعت عشاء کی پڑھ لیں تو یہ تکالیف پیدا نہیں ہو سکتیں۔

5- نماز کا دوہرا فائدہ

جو آدمی دولت کی زیادتی یا دوسری وجوہات سے بے کار ہوں اور صبح سے شام تک سوائے کھانے پینے اور پڑے رہنے کے اور کوئی شغل نہ ہو تو نماز ان کیلئے عین عمل بن جاتی ہے اور پڑے رہنے سے جو کسل اور سستی پیدا ہوتی ہے اس کو دور کر دیتی ہے۔برخلاف اس کے جن آدمیوں کو بے انتہا کام ہو اور سر اٹھانے کی فرصت بھی نہ ملے ان کیلئے دوران کار نماز پڑھنا عین آرام وراحت اور سکون کا باعث ہوتا ہے۔یاد رکھیے! حقیقی سکون وآرام اسی وقت ملتا ہے جب دماغ تفکرات سے بالکل پاک ہو اور یہ بات نماز میں بدرجہ اولیٰ حاصل ہوتی ہے۔

6- نماز سے سکون واطمینانِ قلب حاصل ہوتا ہے

جب تفکرات دنیا انسان کو حد سے زیادہ پریشان کر دیں، چاروں طرف مایوسی اور بے چارگی کا عالم ہو اور کوئی یار ومددگار نظر نہ آئے تو نماز ہی سے انسان کو سکون قلب حاصل ہوتا ہے۔اکثر انسان ایسے حالات میں خودکشی تک کو تیار ہو جاتے ہیں، لیکن نماز ان خیالات کو بدل دیتی اور پائے ثبات کو ڈگمگانے سے روک لیتی ہے خود اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا بے شک اطمینان قلب اللہ کی یاد ہی سے میسر آتا ہے اور یہ بھی کہا کہ جب تم پر کوئی مصیبت پڑے تو صبر اور نماز سے مدد لو۔

7- نماز برائیں سے بچاتی اور اخلاق کو سدھارتی ہے

اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْهَا عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْکَرِ۔ (العنکبوت45)

لیکن افسوس کہ مشاہدہ اور تجربہ آج کل اس کے خلاف ہے اکثر مغرب زدہ اصحاب اس مشاہدہ اور تجربہ کی بناء پر اس آیت کی صداقت ہی کا انکار کرتے ہیں اور نہ صرف نماز کے فوائد بلکہ خود نماز ہی سے منکر ہیں۔ اب بتایئے ہم انہیں کیسے سمجھائیں، کلام ربانی تو غلط ہو ہی نہیں سکتا۔ یہی سمجھ میں آتا ہے کہ جو لوگ باوجود نمازی ہونے کے دنیا بھر کے جھوٹے، چور اور دغا باز ہوتے ہیں، رشوت لیتے ہیں، کم تولتے ہیں، کم ناپتے ہیں، چور بازاری کرتے ہیں، غیبت کرتے اور چغلیاں کھاتے ہیں، دوسروں کے اعمال کی جستجو میں رہتے ہیں، وعدہ کر کے کبھی پورا نہیں کرتے، مسلمانوں نے انفرادی اور اجتماعی تفرقے ڈلواتے ہیں اور مسلمانوں کو آپس میں لڑا کر اپنا الّو سیدھا کرتے رہتے ہیں ان کی "**نماز**" نماز ہی نہیں ہوتی۔ وہ یا تو ریا کاری سے محض دنیا کے دکھاوے کی نماز پڑھتے ہیں یا پھر ان کی نماز فقط رسمی ہوتی ہے، جس میں نہ خلوص ہوتا ہے نہ خشوع وخضوع نہ یاد باری تعالیٰ۔ یہی ہیں وہ نمازی جن کی نمازیں قیامت کے دن ان کے منہ پر ماردی جائیں گی اور کسی کام نہ آئیں گی۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر وہ نماز کونسی ہے جو برائیوں سے بچاتی اور اخلاق سدھارتی ہے؟ سنیئے! بات یہ ہے کہ نماز نہ تو شعار اسلام کا سب سے پہلا رکن ہے نہ سب سے آخری، نہ یہ بذاتہٖ مقصود ہے۔ شعارِ اسلام میں سب سے پہلی چیز ہے ایمان محکم اور سب سے آخری چیز ہے اخلاق کامل۔ اور نماز جیسا کہ اوپر بیان کی ہوئی آیات سے ثابت ہوتا ہے ذریعہ ہے اس اخلاق کے حصول کا۔ ایمان پہلی چیز اسلئے ہے کہ اگر آدمی ایمان ہی نہ لائے تو نہ اس پر نماز فرض ہو نہ ارکان مذہب میں سے کوئی اور رکن۔ اخلاق آخری چیز اس واسطے ہے کہ اگر ساری عمر نماز پڑھنے کے باوجود انسان کی برائیاں دُور نہ ہوں اور وہ ایک نیک شہری نہ بن سکے تو یہ نماز معیار قرآنی کی مطابق بیکار ہے۔ حتیٰ کہ اس کی بخشش کا سبب بھی نہ ہو سکے گی۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسے لوگ نماز نہیں پڑھتے بلکہ نماز کی نقل اتارتے یا نماز کا مذاق اڑاتے یا بے گار ٹالتے ہیں، اسلئے اصل نماز جس سے اخلاق سدھرتا ہے وہ ہے جس کی بابت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

لَا صَلٰوةَ اِلَّا بِحُضُوْرِ الْقَلْبِ (نماز نہیں ہوتی مگر قلب کی حضوری کے ساتھ) یا اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْ (طٰہٰ-14) میری یاد کیلئے نماز پڑھا کرو۔

یعنی وہ نماز جس میں اللہ کی حضوری حاصل ہو یا اللہ کی یاد میں بسی ہوئی ہو ایسی نماز کوئی پڑھے تو دیکھیں کیونکر اس کے اخلاق نہیں سدھرتے۔ ایسی نماز کا طریقہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ چوبیس گھنٹے اللہ تعالیٰ کو یاد رکھو تب ایسی نماز ہوسکتی ہے۔ نفسیات کا سیدھا سا مسئلہ ہے کہ دن بھر جو خیالات دماغ میں بسے رہتے ہیں، ارتکاز خیال کے وقت ردّ عمل کی وجہ سے وہی دماغ میں بار بار آتے ہیں۔ پس اگر دماغ میں چوبیس گھنٹے اللہ کا خیال جاگزیں رہے گا تو نماز میں بھی اللہ ہی یاد آئے گا۔

8- نماز احساس فرائض پیدا کرتی اور اس کو قائم رکھتی ہے

نماز فرض ہے اور اس کی ادائیگی پر اس قدر زور دیا گیا ہے کہ کسی حالت میں بھی معاف نہیں۔ تم بستر مرگ پر ہی کیوں نہ ہو اور ہاتھ پاؤں جواب دے چکے ہوں لیکن ہوش باقی ہو اور نماز کا وقت آجائے تو اشاروں ہی سے پڑھ لینے کا حکم ہے اس سختی اور تعدد سے مقصود یہی احساس پیدا کرنا ہے کہ دنیاوی امور میں بھی جو چیز تم پر فرض ہے اس کو مرتے مرتے بھی ادا کرنا ہے۔ کیا کوئی دوسرا مذہب اس قسم کی عبادت پیش کرسکتا ہے؟

9- نماز روحانیت پیدا کرتی ہے

نماز اگر نماز کی طرح پڑھی جائے یعنی اس میں اللہ یاد ہو تو اس سے رفتہ رفتہ حضوری قلب کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اور یہی کیفیت بڑھتے بڑھتے اس احساس میں تبدیل ہو جاتی ہے کہ اللہ موجود ہے اور مجھ کو دیکھ رہا ہے یہی ایمان ہے جیسا کہ پیچھے بتایا جا چکا ہے۔

10- نماز ہی ولی کامل بناتی ہے

یعنی جب ایمان پیدا ہو جاتا ہے تو یہی نماز رفتہ رفتہ اس کو مرتبہ احسان تک پہنچا دیتی ہے جو ولایت ہے۔ نماز کو نماز کی طرح پڑھنا اور اس کے پورے فوائد سے متمتع ہونا چاہتے ہو تو نماز میں اللہ تعالیٰ کو یاد رکھو کیوں کہ یاد رکھنا ہی سب سے بڑی عبادت ہے۔

اِلّا اللہ کی ضرب (ذکر نفی اثبات کا طریقہ)

(قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدی صاحب)

تصوف میں **لا الہ الا اللہ** کے ذکر کو نفی اثبات کا ذکر کہتے ہیں۔ اس ذکر کی غایت یہ کہ اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل اور سویا ہوا دل جاگ اُٹھے اور اس میں اللہ تعالیٰ کے عشق کی حرارت اور سوز و گداز پیدا ہو جائے۔ ذکر کا پورا فائدہ اسی حالت میں پہنچ سکتا ہے جب **لَا اِلٰــــہ** کہنے پر دماغ بالکل خالی ہو جائے اور کسی طرح کا بھی کوئی خیال اور تصوّر باقی نہ رہے اور جب **اِلّا اللہ** کی ضرب دل پر لگائی جائے تو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کا خیال ہو۔ سلوک کی راہ میں جو فناء فی اللہ بقاء باللہ کی کیفیات آتی ہیں انکو کوئی سالک اس وقت تک حاصل نہیں کر سکتا جب تک کہ اس کی نفی اور اثبات کامل نہ ہو جائیں جتنی نفی کامل ہوگی اتنی ہی روحانی طاقت پیدا ہوگی اور جس قدر اثبات کامل ہوگا اتنا ہی سالک کو اللہ تعالیٰ کا قرب، حضوری اور معرفت حاصل ہوگی۔ نفی جب تک مطلوبہ معیار کے مطابق نہ ہو اثبات صحیح نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ لا الہ کہتے وقت یہ خیال کرنا بہت سودمند ہوتا ہے کہ کوئی بھی چیز کائنات میں موجود نہیں۔ یہ ہے کامل نفی اور اس کیفیت کو پختہ کرنے کیلئے ضروری ہے کہ اس حالت میں چار پانچ سیکنڈ ضرور ٹھہرا جائے۔ اسکی مثال یوں ہے کہ اگر کسی سلیٹ پر پہلے ہی بہت سی تحریریں گڈمڈ کر کے لکھی ہوئی ہوں اس پر لفظ اللہ بھی لکھ دیا جائے تو وہ واضح طور پر دکھائی نہیں دے گا۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ پہلے سلیٹ کو پوری طرح صاف کیا جائے اور اس کے بعد اس پر اللہ کا پاک نام لکھا جائے۔ اسی طرح اِلّا اللہ کی ضرب لگانے سے پہلے یہ امر بڑا اہم ہے کہ لوحِ خیال کو ہر نقش سے پاک کیا جائے تا کہ اللہ کا خیال پوری طرح واضح اور روشن ہو کر ابھرے۔

لا کے جھاڑو سے نہ راہ کی جب تک ہو صفائی
الا اللہ کی منزل تک نہ ہوگی کبھی رسائی

اس لئے تمام سالکین راہ خدا کو چاہیے کہ نفی اثبات کا ذکر بڑی باریک بینی سے حرف بہ حرف قدم بہ قدم مرشد کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق کیا جائے۔ذکر کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ اپنے دماغ کو دنیاوی وساوس اور خیالات سے فارغ کر کے پوری توجہ اللہ تعالٰی کے ذکر پر مرکوز کی جائے۔اس کے بعد ناف کے ایک انگشت نیچے سے لفظ "لا" شروع کرو۔اس وقت گردن جھک جانی چاہیے اب گردن اوپر اٹھاتے جاؤ اور لفظ "لا" کو آہستہ آہستہ کھینچتے ہوئے سینے سے اور پھر دماغ کے اندر گزارتے ہوئے۔**اُم الدماغ** یعنی کھوپڑی کی اندرونی سطح پر جا کر ختم کرو۔یہاں تک پہنچتے پہنچتے گردن تن جانی چاہیے اور سر کسی قدر اُوپر اُٹھ جائے۔اب گردن کو داہنی طرف موڑو یہاں تک سَر داہنے کندھے کی طرف خوب جُھک جائے۔اسی کے ساتھ لفظ "**اِلٰہ**" کہو اور خیال کرو کہ کوئی شے اور کوئی ہستی موجود نہیں ہے۔یہاں تک کہ نہ اللہ کا خیال رہے اور نہ اپنے وجود کا یعنی دماغ میں کوئی بھی خیال باقی نہ رہے،بالکل خالی ہو جائے۔یہ نفی کی کیفیت کہلاتی ہے یہاں وقفہ کرنا بہت ضروری ہے۔اس لئے یہاں چند سیکنڈ ٹھہرو۔بہتر ہے کہ لمبا سا سانس اندر کھینچو۔اس سے اگلا مرحلہ اثبات کا ہے۔اب گردن اور سر کو بائیں طرف قلب کی جانب اور پوری طاقت اور جھٹکے سے جھکا کر دل پر اِلاّ اللہ کی ضرب لگاؤ اور فوراً یہ خیال کرو کہ صرف اللہ ہی اللہ موجود ہے اور اس کے سوا اور کچھ نہیں۔اب دماغ میں صرف اللہ کا خیال باقی رہنا چاہیے یہ اثبات کی کیفیت ہے اور یہاں بھی چند سیکنڈ کا وقفہ لازمی ہے تا کہ اثبات میں ٹھہراؤ آجائے۔بہتر ہے یہاں بھی ایک سانس اندر لے لیا جائے اور اس کے بعد نفی و اثبات کا اگلا دور اور ہر دور ناف کے نیچے ہی سے شروع کرنا بہت ضروری ہے۔دل بائیں چھاتی سے تھوڑا سا نیچے واقع ہے اور اسکی صورت پان کے پتے کی سی ہے اور تھوڑا سا بائیں پہلو کی طرف جُھکا ہوا ہے۔پتے کی ڈنڈی والی جگہ کو دل کی پشت کہتے ہیں جو دائیں کندھے کی جانب سے آنے والی "**اِلاّ اللہ**" کی ضرب کے عین سامنے ہے اور ضرب اسی جگہ لگانی چاہیے۔ضرب لگانے کے فوراً بعد یا تو یہ خیال کیا جائے کہ ضرب لگانے سے لفظ "اللہ" سنہری روشنائی سے قلب پر لکھا گیا ہے اور اس سے سنہری روشنی پھوٹ رہی ہے۔

یا یہ خیال کیا جائے کہ ضرب لگانے سے دل سے نور کا زوردار چشمہ پھوٹا ہے جس کا نور پوری کائنات میں پھیل گیا ہے۔یا پھر ضرب لگانے پر یہ خیال ہی کافی ہے کہ صرف اللہ ہی موجود ہے اور ہر طرف پوری کائنات میں صرف اللہ ہی اللہ ہے۔ان میں سے جس طریقہ پر بھی خیال جم جائے وہی ٹھیک ہے۔ذکرِ نفی اثبات میں پہلا حصہ پڑھا جاتا ہے جس میں لاإلہ إلّا اللہُ کے چار حروف ہیں اور نفی اثبات میں چار ہی مقامات آتے ہیں۔ناف،اُم الدماغ،داہنا کندھا اور دل۔پہلے دو حروف نفی کے ہیں جن کے معنی ہیں کہ کوئی اِلہٰ نہیں اور آخری دو الفاظ اثبات کے ہیں جن کے معنی ہیں لیکن اللہ اس لئے پہلے دو الفاظ کے بعد نفی کا سٹاپ ہے اور وہاں ضرور ٹھہرنا ہوگا۔ذکر کی ابتداء ہر مرتبہ ناف کے ایک انگشت نیچے سے جو کہ مقامِ نفس سے ہوگی۔یہاں سے لا کا سفر شروع ہو کر دوسرے مقام اُم الدماغ پر ختم ہوگا لیکن یہاں وقفہ یا سٹاپ ہرگز نہیں بلکہ ایک موڑ ہے۔اس موڑ سے نفی کے سفر کی سمت داہنے کندھے کی طرف الہٰ کہتے ہوئے طے ہوگی۔یہاں بالکل اندھیرا ہے اور یہاں وقفہ بھی ضروری ہے۔وقفے کے بعد اگلا سفر اثبات کا ہے اور یہ بہت تیز رفتاری سے طے کرنا ہوتا ہے اور اس کی منزل قلب ہے۔

وقفے کے بعد پوری قوت اور جھٹکے کے ساتھ " إلّا اللہُ " کی ضرب قلب کی پشت پر لگائی جائے گی۔ضرب تو إلّا اللہ کی لگائی جائے گی لیکن خیال صرف اللہ کا کیا جائے گا۔یہ نفی اثبات کے سفر کی حقیقی منزل ہے اس لئے یہاں تھوڑا سا وقفہ کرنا بہت ضروری ہے۔صحیح ذکر کے لئے بھائیوں کو چاہیے کہ کلمہ طیبہ کے چار الفاظ کو ان کے اپنے اپنے مقام تک ضرور پہنچائیں۔جہاں " لا " کا سیدھا عمودی سفر ہے اسے اسی طرح طے کر کے نفس سے اُم الدماغ تک ضروری پہنچائیں۔پھر دائیں طرف مُڑیں اور الہٰ کہتے ہوئے داہنے کندھے پر پہنچ کر نفی کا سفر مکمل کریں اور یہاں وقفہ کریں پھر إلّا اللہ کی ضرب سے اگلا سفر تیز رفتاری اور قوت سے طے کریں کہ دل پر جو ضرب لگے اس سے اللہ کے نور کا چشمہ پھوٹ پڑے اور وہ دل بینا بن جائے۔

عشق کی ایک جست نے طے کر دیا قصہ تمام
اس زمین و آسمان کو بے کراں سمجھا تھا میں

سالانہ کنونشن ۲۰۱۲ء

سید رحمت اللہ شاہ۔لاہور

مریدین سلسلہ عالیہ توحیدیہ سابقہ روایات کے تسلسل میں امسال بھی سالانہ کنونشن ۲۰۱۲ء میں پورے جوش وخروش سے شریک ہوئے۔اس مرتبہ یہ کنونشن ۱۳اپریل بروز جمعہ سے ۱۵ اپریل بروز اتوار بعداز نماز فجر تک جاری رہا۔اگرچہ یہ اجتماع سابقہ اجتماعات کی طرز پر توحیدیہ روایات میں تسلسل تھا مگر آغاز سے انجام تک ہر سطح پر ایک خاص تحریک اور جدت نظر آئی۔کنونشن کے انتظامات براہ راست شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب کی سرپرستی میں ہوئے۔اس سالانہ کنونشن میں جو انفرادیت تھی وہ پنڈال کی وسعت، آرام گاہوں میں اضافی انتظامات،شرکاء کی زیادہ گنجائش،تمام اوقات میں بہترین کھانے کا انتخاب،بہترین ضائقہ جات بالخصوص سویٹ ڈش اور دوسرے روز چائے کی روایت بظاہر نظر آنے والی تبدیلیاں تھیں۔محفل سماع کو گزشتہ سالوں کی نسبت بہت پسند کیا گیا۔سالانہ کنونشن کے دوران جدید ٹیکنالوجی بالخصوص انٹرنیٹ اور موبائل پیغامات کے ذریعے اطلاعات کی ترسیل،مختلف زاویوں سے اجتماع کی تصویری اور ویڈیو کوریج وغیرہ جیسے معاملات خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

قانون کی ڈائری اس سال جناب ڈاکٹر میاں علی رضا صاحب توحیدی کو سونپ کر کنونشن کے انتظامی معاملات کا ذمہ دار بنایا گیا تھا۔مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قانون کی ڈائری کا تعارف بھی کرادیا جائے۔یہ وہ ڈائری ہے جو کنونشن انتظامات کے آغاز میں کھولی جاتی ہے۔اس میں گزشتہ سال کنونشن کے موقع پر ذمہ داریوں کے تعین،ان کی انجام دہی،وقتی مسائل،انفرادی و اجتماعی سستی،کمی و کوتاہی وغیرہ جیسے حالات وواقعات بہت باریکی سے تفصیلاً درج ہوتے ہیں۔کنونشن انتظامات کی منصوبہ بندی میں قانون کی ڈائری خاصی کارگر ثابت ہوتی ہے۔کنونشن کے دوران لمحہ لمحہ کے واقعات اس میں درج ہوتے رہتے ہیں۔کئی سالوں سے یہ فریضہ

جناب محمد طالب صاحب بخوبی انجام دیتے رہے۔اس سال جناب محمد طالب صاحب پوری طرح انتظامات کی نگرانی تو کرتے رہے مگر ضابطہ واحکامات والے معاملات جناب ڈاکٹر میاں علی رضا صاحب کے تحت رہے۔انتظامات میں اگرچہ ذمہ داریوں کا تعین کردیا گیا مگر اس کے باوجود جناب ڈاکٹر میاں علی رضا صاحب بذات خود بہت متحرک رہے۔استقبالیہ، طعام گاہ، برقی ترسیل ،سیکیورٹی،اور آرام گاہوں پر کئی احباب نے فرائض سرانجام دیے۔کونشن کے آغاز سے قبل تک اندرون خانہ اماں جی کی خدمات خاص طور پر قابل ستائش ہیں جنہوں نے اپنی ضعف عمری اور اس کے تقاضوں کو بالائے طاق رکھ کر فقیرانہ شان سے انتظامات کیلئے مرکز پر آنے والوں کی خدمت اور تواضع کی اور سابقہ روایت کے مطابق بروز جمعہ تمام مہمانوں کو قبل از دوپہر تک ناشتہ وچائے کا انتظام کیا۔

۱۳ اپریل بروز جمعۃ المبارک کونشن کا پہلا دن تھا۔انتظامیہ اپنی اپنی تفویض کردہ ذمہ داریاں نبھانے کیلئے ہر طرح تیار تھی۔شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب توحیدی صبح ۹ بجے سے ۱۱ بجے کے بعد تک مرکز تعمیر ملت کے برآمدہ میں مریدین سلسلہ کو خوش آمدید کہنے، ان سے ابتدائی ملاقات کرنے، حال احوال پوچھنے، گفت وشنید اور وعظ ونصیحت کیلئے تشریف فرما رہے۔نماز ظہر وجمعۃ المبارک کے بعد مہمانوں کو کھانا پیش کیا گیا۔سالانہ کونشن کا پہلا اجلاس بعد از نماز عصر شروع ہوا۔راقم الحروف نے پہلے اجلاس میں سٹیج سیکرٹری کے فرائض سرانجام دیے۔تلاوت قرآن کریم سے آغاز کی سعادت جناب حافظ عبدالکریم صاحب (ملتان) کو حاصل ہوئی۔جناب لیاقت علی صاحب (چوک اعظم)، جناب خالد محمود صاحب (ملتان) اور جناب پیر خان صاحب (راولپنڈی) سٹیج پر تشریف لائے اور سب نے ان کے ساتھ مل کر اجتماعی طور پر چند مرتبہ درود شریف پڑھا۔جناب ماجد محمود صاحب (نوکھر) نے تلاوت فاتحہ وقل شریف پڑھا جس کے بعد قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب توحیدی نے ایصال ثواب اور دعائے خیر کرائی۔ خطبہ استقبالیہ کیلئے ڈاکٹر میاں علی رضا صاحب توحیدی تشریف لائے اور حاضرین کو خوش آمدید

کہا۔اظہار خیال کا سلسلہ شروع ہوا۔جناب حضرت مولوی محمد یعقوب صاحب (لاہور) نے طریقت توحیدیہ کے تناظر میں سلسلہ کی تعلیمات پر عمل کے حوالے سے بات چیت کی۔جناب پیر خان صاحب (راولپنڈی) نے صلہ رحمی اور جناب عبدالرشید ساہی صاحب (ڈسکہ) نے 'اقبال اور صحبت مرد مومن' کے موضوع پر اظہار خیال کیا۔موسم بہت خوشگوار تھا۔نماز مغرب کے وقت بوندا باندی شروع ہوئی۔مریدین سلسلہ اجتماعی ذکر کیلئے مرکز تعمیر ملت کے ہال، برآمدے، اور کمروں میں جمع ہوئے۔جناب پیر خان صاحب (راولپنڈی) نے حلقہ ذکر کرایا۔حلقہ ذکر کے بعد قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب توحیدی حاضرین سے مخاطب ہوئے، وعظ ونصیحت اور سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی تعلیمات پر سیر حاصل گفتگو ہوئی، مریدین سلسلہ نے ہمہ تن گوش ان لمحات سے فائدہ اٹھایا۔بارش تھم چکی تھی، حاضرین کیلئے رات کا کھانا تیار تھا، باجماعت نماز ہوئی اور کھانا کھایا گیا۔موسم کی خرابی کے باوجود متحرک انتظامیہ نے بہترین خدمات سرانجام دیں۔

سالانہ کنونشن کے دوسرے روز نماز فجر کے بعد ختم قرآن پاک اور ایصال ثواب کیا گیا۔ناشتہ کے بعد خادمان حلقہ جات اور مجازین کرام کا مشاورتی اجلاس ہوا۔کنونشن اور اس اجلاس سے قبل مریدین سلسلہ میں بہت سی تجاویز وآراء موضوع گفتگو تھیں، مہمانوں کیلئے نئے کمرے بنائے جائیں، بالائی منزل پر ایک بڑا اسماع ہال بن جائے، اجتماع گاہ پر تعمیر کر کے اسے موسمی تبدیلیوں سے محفوظ کر دیا جائے، پختہ چاردیواری کی تعمیر کی جائے، آمد ورفت کی سہولت کیلئے مرکز پر ایک گاڑی اور ڈرائیور کا انتظام کیا جائے وغیرہ۔سب کے جذبات اپنی جگہ مگر مشاورتی اجلاس میں جب یہ آراء آئیں تو شیخ سلسلہ قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب توحیدی نے انتہائی مختصر مگر جامع یہ جواب دیا کہ کنونشن کے موقع پر ایک دن کی کچھ تکلیف ہے اسے سب بھائی برداشت کر لیں گے، ہمیں اپنے محدود مالی وسائل ان کاموں پر لگانے کی بجائے دعوتی کاموں پر لگانا ہیں۔آپ سلسلہ کا تعارف لکھیں اور اسے زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچائیں۔اس بات کے بعد مزید اس موضوع پر کسی تجویز کے پیش کرنے کی گنجائش باقی نہ رہی۔اگر چہ یہ نجی اجلاس کی باتیں

ہیں، راقم الحروف بھی اس موضوع میں دلچسپی رکھتا تھا، جو جواب پایا وہ ہم سب کیلئے ایک دعوتی پیغام تھا مناسب معلوم ہوا کہ اسے آپ بھائیوں تک بھی پہنچا دیا جائے تا کہ اس پر کوئی بہتر، ٹھوس، اور جامع اور پیشرفت ہو سکے۔

سالانہ کنونشن ۲۰۱۲ء کا دوسرا اجلاس ۱۴ اپریل بروز ہفتہ صبح گیارہ بجے شروع ہوا۔ محترم مولوی محمد یعقوب صاحب (لاہور) اور جناب منظور قادر بھٹہ صاحب (فیصل آباد) سٹیج پر جلوہ افروز ہوئے۔ جناب حافظ محمد یسین صاحب (نوکھر) نے سٹیج سیکرٹری کے فرائض سرانجام دیے۔

جناب حافظ عبدالکریم صاحب (ملتان) نے تلاوت قرآن پاک اور جناب سید امین شاہ صاحب بخاری (ملتان) نے نعت رسول مقبول ﷺ سے دلوں کو گرمایا۔ جناب ماجد محمود صاحب توحیدی (نوکھر) نے عارفانہ کلام پیش کیا۔ اظہار خیال کا سلسلہ شروع ہوا۔ جناب خالد محمود بخاری صاحب (ملتان) نے 'سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی تعلیمات اور اس کے تقاضے' جناب محمد عتیق عباسی (راولپنڈی) نے 'عالمگیر محبت اور امن عالم'، جناب محمد سلیم صاحب (جڑانوالہ) نے 'اللہ کا ذکر'، جناب محمد نذیر صاحب (راولپنڈی) نے 'قرآن سے بے رغبتی' کے عنوانات پر بات کی۔ جناب محمد عثمان مدنی (ڈسکہ) نے آخر میں فرمائش پر قرآن پاک کی چند آیات کی قرأت کی۔ نماز ظہر کے بعد کھانے اور آرام کا وقفہ ہوا۔

سالانہ کنونشن کا تیسرا اجلاس نماز عصر کے بعد شروع ہوا۔ جناب محمد فیصل خان صاحب (ملتان) نے سٹیج سیکرٹری کے فرائض سرانجام دیے۔ اس اجلاس میں شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب توحیدی نے سالانہ خطبہ دیا۔ اس سال کے خطبہ کو "زندگی اور خلافت ارضی" (ہر انسان کی صلاحیتوں کا امتحان) کا عنوان دیا گیا۔ شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا یہ خطبہ علم و عرفان اور تحقیق و فکر کا بہترین امتزاج تھا۔ بعد ازاں جناب عثمان چیمہ صاحب (گوجرانوالہ)، جناب سید عابد کبیر شاہ صاحب (شجاع آباد)، جناب اذن علی شاہ صاحب (لاہور)، جناب محمد فیصل خان صاحب (ملتان) نے "میں توحیدی کیونکر بنا" کے عنوان

پر اپنی بہترین باتوں سے شرکاء میں ایک نئے ذوق وشوق اور قوت عمل کو جنم دیا۔ ایک مختصر وقفہ ہوا نماز مغرب اور اس کے بعد اجتماعی حلقہ ذکر ہوا۔ جناب سید عابد کبیر شاہ صاحب (شجاع آباد) نے حلقہ ذکر کرایا، نشست بیعت ہوئی، نئے دوست احباب اپنے خادمان حلقہ کی وساطت سے بیعت ہو کر سلسلہ عالیہ توحیدیہ میں شامل ہوئے۔ بیعت کے بعد دعا ہوئی اور تمام حاضرین میں مٹھائی تقسیم کی گئی۔ نماز عشاء، رات کا کھانا، اور کچھ دیر آرام کے بعد رات گیارہ بجے سے صبح صادق تک محفل سماع کا پروگرام ہوا۔ محفل سماع کے آغاز سے قبل ہی تمام حاضرین کو سلسلہ توحیدیہ میں سماع کے آداب سے آگاہ کر دیا گیا۔ شیخ سلسلہ قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب سٹیج پر جلوہ افروز ہوئے، آپ کے دائیں طرف حضرت مولوی محمد یعقوب صاحب (لاہور) اور بائیں طرف جناب خالد محمود صاحب (ملتان) تشریف فرما ہوئے۔ چائے کے وقفہ کے بعد جناب خالد محمود صاحب کی جگہ جناب امین شاہ صاحب (ملتان) کو سٹیج پر دعوت دی گئی۔ امسال محفل سماع میں صدارتی ایوارڈ یافتہ قوال تھے جو پہلے سے ہی سلسلہ عالیہ توحیدیہ میں محفل سماع کے آداب سے آگاہ تھے۔ رات ایک بجے سے ڈیڑھ بجے تک چائے کا وقفہ تھا۔ وقفے سے قبل بھی اچھی قوالیاں تھیں مگر وقفے کے بعد خاص توحیدی رنگ قائم تھا۔ جناب احمد رضا خان صاحب (گوجرانوالہ) قوال حضرات کے ساتھ ہدایات کیلئے ساری رات موجود رہے اور انہیں ہدایات دیتے رہے۔ محفل سماع کے اختتام تک حاضرین میں رقت آمیز منظر تھا۔ اذان فجر کا وقت قریب تھا، سب شرکاء نے مل کر ترانہ توحیدیہ پڑھا، شیخ سلسلہ قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب نے اختتامی دعا کرائی، نماز فجر اور ناشتہ کے بعد تمام شرکاء اپنی اپنی منزل کی جانب روانہ ہوئے۔ شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب کچھ دیر آرام کرنے کے بعد باہر برآمدے میں تشریف لائے اور انتظامی معاملات کا اختتامی جائزہ لیا۔

خدمت خلق

(محمد حسین۔ چیچہ وطنی)

اللہ تعالیٰ کی عبادت کے بعد اگر کوئی عمل اسلام میں زیادہ اہمیت رکھتا ہے تو وہ خدمتِ خلق ہے یعنی معاشرے میں جو لوگ کمزور اور بے سہارا ہیں ان کی مدد اور دستگیری کرنا اللہ کے نزدیک بہت پسندیدہ عمل ہے اور حقیقت میں یہ بھی عبادت ہی کی ایک قسم ہے۔ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے جسمانی یا مالی توانائی عطا فرمائی ہے وہ معاشی یا جسمانی لحاظ سے کمزور افراد کو حقیر نہ سمجھیں۔ یہ خوشحالی اور توانائی دراصل ایک آزمائش ہے۔ اللہ تعالیٰ دیکھنا چاہتا ہے کہ اس کے خوش حال بندے اس کی دی ہوئی نعمتوں سے مالا مال ہونے کے بعد کہیں بے آسرا اور کمزور لوگوں کو فراموش تو نہیں کر دیتے۔ خوش حال لوگوں کے مال ومتاع میں اللہ تعالیٰ نے ان غریبوں اور ناتوانوں کا حصہ رکھا ہے اوران کے لئے اس کو سعادت وثواب کا ذریعہ بنایا ہے اور جو لوگ ان اموال میں سے ان کا حصہ نہیں نکالتے ان کو دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ کی گرفت سے مفر نہیں اور آخرت میں بھی اس کی باز پُرس ہوگی اور سزا ملے گی۔ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق پر نہایت مہربان ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی مخلوق سے شفقت کرتا ہے اور خدمتِ خلق کے کاموں میں مشغول رہتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب و مقبول بندہ ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے اس بندے کو دین و دنیا کی سعادتوں سے مالا مال فرماتا ہے۔

انسانی زندگی اس حد تک فطرتاً عمرانی الطبع ہے جو بغیر معاشرے کے انسان وجود میں آ سکتا ہے نہ باقی رہ سکتا ہے۔ بغیر معاشرے کے صرف مر سکتا ہے وہ بھی اس وجہ سے کہ عمرانی روابط کی خوشگواری باہمی تعاون یا خدمت سے عبارت ہے۔ جب یہ بند ہے تو زندگی میں کشش باقی نہیں رہتی خدمت خلق کے کئی پہلو ہیں جنہیں نبی پاکؐ نے چند الفاظ میں سمو دیا ہے آپؐ کا فرمان ہے کہ

"کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے بھائی کیلئے بھی وہی کچھ پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرے" یعنی عالم اپنے بے علم بھائیوں کو علم سکھا کر انکی دنیا و آخرت سنوارنے کیلئے خدمت

کرے مالدار کو چاہیے کہ اپنے غریب اور نادار بھائیوں کا معاشی تعطل دور کرنے میں اُن کی مدد کرے۔ جو راہ گیر چاہتا ہے کہ اُسے راستے میں ٹھوکر نہ لگے اس پر بھی لازم ہے کہ دوسروں کے راستوں کی ٹھوکریں دور کرے۔ خدا رسیدہ بھائیوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے غافل اور سست بھائیوں کو خود شناسی اور خدا شناسی کا راستہ بتائیں یہ سب سے اعلیٰ درجے کی خدمت ہے اور اتنی جامع کہ دونوں جہانوں یعنی دنیا اور آخرت پر محیط ہے۔ اصل عمل وہی ہے جس سے دنیا اور آخرت دونوں سنور جائیں۔ صوفیاءِ کرام نے اپنی ساری عمریں اسی خدمت میں کھپا دیں۔ خلق خدا کو گمراہی کے اندھیروں سے نکال کر خود آگاہی اور خدا شناسی سے روشناس کر دیا اور انکو دنیا و آخرت میں کامیابی کا راستہ بتایا ان لوگوں نے اسی جذبۂ خدمت اور صرف رضائے الٰہی کی خاطر اپنے اہل و عیال اور وطن کو خیر باد کہا اور دیارِ غیر کو اپنا مسکن بنایا کوئی دنیاوی غرض اُنکے پیشِ نظر نہ تھی۔ وہ کسی غرض کے بندے نہ تھے انکا مقصود صرف خوشنودیٔ محبوب کے سوا کچھ نہ تھا۔

صوفیاءِ کرام جیسے حضرت علی ہجویریؒ، خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ، خواجہ بہاؤ الحق و ذکریا ملتانیؒ اور دیگر مشائخ کہاں کہاں سے آئے احیائے دین کیلئے خدمات انجام دیں ہندوستان کی بہت بڑی آبادی کا مسلمان ہونا، ہزار سال تک مُسلم سلاطین کا برسرِ اقتدار رہنا اور آخر میں پاکستان کا معرضِ وجود میں آنا انہی بزرگوں کی کوششوں کا مرہونِ منت ہے۔ نتائج سے یہ بات آشکار ہے کہ یہ لوگ ہوسِ اقتدار یا حصولِ دولت کیلئے نہیں آئے انہوں نے کوئی تجارتی مراکز نہیں بنائے بلکہ انکا سفر اور وطن سے دور دیارِ غیر میں سکونت اختیار کرنا محض رضائے الٰہی کیلئے خدمت خلق کے جذبے کے تحت تھا دراصل یہ نفوسِ قدسیہ جغرافیائی حد بندیوں کے قائل نہ تھے روئے زمین کو اپنا مسکن سمجھتے کیونکہ ساری زمین اللہ کی ہے اور اللہ کے بندے ہی اسکے وارث ہیں وہ اسلام کی روشنی کو تمام انسانوں تک پہنچانے کے کام کو اصل خدمت اور مقصدِ حیات جانتے تھے

کسی کو راستہ بتانا راستہ کو کانٹوں اور پتھروں سے صاف کرنا کسی کا بوجھ اُٹھانا بیمار کی تیمارداری کرنا وغیرہ سب نیکی اور خدمتِ خلق ہے مگر سب سے مشکل کام خدمتِ خلق کے جذبہ سے مال خرچ کرنا ہے یہی اصل نیکی ہے ارشادِ خداوندی ہے:۔

ترجمہ: تم ہرگز بھلائی کو نہ پہنچو گے جبکہ راہِ خدا میں اپنی پیاری چیز خرچ نہ کرو اور تم نہ کچھ خرچ کرو اللہ کو معلوم ہے) اِسی طرح ایک اور جگہ فرمایا۔

ترجمہ: کچھ اصل نیکی یہ نہیں کہ منہ مشرق یا مغرب کی طرف کرو ہاں اصل نیکی یہ ہے کہ ایمان لاؤ، اللہ پر، قیامت اور فرشتوں پر اور کتابوں اور نبیوں پر اور اللہ کی محبت میں اپنا عزیز مال دے رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور راہ گیروں اور سائلوں کو اور گردنیں چھڑانے میں"

گویا اللہ تعالیٰ کی راہ میں عزیز مال خرچ کرنا یا مال سے اللہ کے بندوں کا معاشی تعطل دور کرنا ایمان کو پرکھنے کی کسوٹی ہے مگر اسکا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ مال کے بغیر خدمت خلق کا اور کوئی طریقہ یا راستہ ہی نہیں کو جسکے پاس مال ہوا سکے لیے مال سے خدمت کرنا افضل ہے مگر احادیث میں موقع کے مطابق بغیر مال کے خدمت کی فضیلت کو بھی بہت سراہا گیا ہے۔ مثلاً معذوروں کی مدد کرنا اندھے کو راستہ کی رہنمائی کرنا راستہ سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانا، کسی کو پانی بھر کر دینا، بیمار کو دلاسہ دینا حتیٰ کہ کسی ضرورت مند اور دُکھی سے خندہ پیشانی سے پیش آنا بھی خدمت اور صدقہ ہے۔ بانیٔ سلسلہ عالیہ توحیدیہ حضرت عبدالحکیم انصاریؒ نے خدمت خلق پر بہت زور دیا ہے۔ اپنی عظیم تصنیف "تعمیر ملت میں" خدمت خلق کا باقاعدہ ایک عنوان قائم کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ تمام سلوک کا حاصل خدمت خلق ہے کوئی کتنا بھی بڑا ولی اللہ کیوں نہ بن جائے اگر وہ دنیا کو فیض نہ پہنچائے تو اسکی ولایت اسکے ذاتی فائدے کیلئے تو ہوسکتی ہے مگر وہ کسی حالت میں نائب رسول ہونے کا مستحق نہیں۔ کیونکہ نبی کی بعثت کا مقصد بھی خلق خدا کو زندگی بسر کرنے کا ایسا طریقہ بتائے کہ دنیا و آخرت میں کامرانی نصیب ہو۔ اسکا مطلب یہ ہے کہ مخلوق کی اعلیٰ خدمت وہ ہے جس سے انسان دنیا و آخرت میں آرام و سکون کی زندگی بسر کر سکے اور ماسویٰ کے آگے ہاتھ پھیلانے کی ضرورت ہی پیش نہ آئے یہی دین متین کا منشا ہے۔

نکتہ شرع متین ایں است بس
کس نہ بود در جہاں محتاج کس

اُمت وسطیٰ کا نصب العین

(محمد حسین۔ چیچہ وطنی)

ساری کائنات حضرت انسان کی خدمت میں مصروف عمل ہے اور ماسوا جن وانس کے سارا کارخانہ خودکار ہے طوعاً وکرہاً، ہر شے اپنا اپنا وظیفہ سرانجام دینے میں مشغول ہے کہیں کوئی رکاوٹ نہیں سارا نظام فول پروف ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کو بھی ایک مکمل اور فول پروف نظام حیات نبی پاکؐ کے توسل سے عطا فرمایا ہے مگر فرق یہ ہے کہ کائناتی نظام خودکار ہے اور انسانی نظام حیات کو خود حضرت انسان نے اپنے ہاتھوں فرداً فرداً اپنے نفس پر قومی سطح پر اور پھر بین الاقوامی سطح پر نافذ کرنا ہے۔

نبی پاکؐ کی بعثت کے قرآن پاک میں بہت سارے مقاصد بیان ہوئے ہیں یعنی قرآن پاک کی بذریعہ تلاوت تعلیم دینا لوگوں کا تزکیہ کرنا حکمت سکھانا مکارم اخلاق کی تعلیم دینا وغیرہ مگر جیسا کہ مندرجہ ذیل آیت کریمہ کے اسلوب سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کا سب سے اہم فریضہ دین یعنی اللہ تعالیٰ کے عطاء کردہ نظام حیات کو عملی طور پر نافذ کر کے باقی سب باطل نظاموں پر غالب کرنا تھا آیت کریمہ ہے کہ **ھوالذی ارسل رسولہ بالھدودین الحق الیتطھرہ٥علی دین کلہ ولوکرہ المشرکون٥**

ترجمہ! وہی ذات ہے جس نے اپنا رسول ﷺ ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تا کہ اسے سب دینوں پر غالب کردے چاہے مشرکوں کو برا ہی کیوں نا لگے۔"تا کہ "پرزور ہے۔ مطلب یہ ہے کہ رسولؐ کو بھیجا ہی اس لیے گیا ہے کہ خدائی نظام حیات کو باقی تمام نظاموں پر غالب کر کے عملی طور پر نافذ کیا جائے۔اس مقصد کے پورا ہونے سے باقی ماندہ تمام مقاصد پورے ہو جاتے ہیں۔نبی پاکؐ نے نصرت ایزدی سے یہ نظام نافذ کر دیا جسکے نفاذ کے کچھ ہی دنوں بعد عربوں کی حالت یکا یک بدل گئی ڈاکو لٹیرے محافظ بن گئے اور رہزن رہنما بن گئے ایک

عورت زیورات سے لدی پھدی اکیلئے سفر کرتی تو اللہ کے خوف کے سوا اسے کسی کا خوف نہ ہوتا تھا معاشرہ پاکیزہ اور ہر طرح سے خود کفیل ہوگیا۔

رہا ڈر نہ بیڑے کو موج بلا کا
اِدھر سے اُدھر پھر گیا رُخ ہوا کا

اس نظام کے نفاذ کے بعد فرداً فرداً افراد کی خدمت اور مدد کرنے کی ضرورت بھی نہ رہی کیونکہ نعمتوں کے منبع سے دریا، دریاؤں سے نہریں اور پھر چھوٹے چھوٹے کھالوں کے ذریعے نعمتیں خود بخود حاجت مندوں تک پہنچنے لگیں اس کے بعد نبی اکرمؐ کو مژدۂ جانفزا سنایا **الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی** نعمتوں کی اب بھی کمی نہیں مگر وہ نظام مصطفےٰ ڈاکوؤں، لٹیروں اور زاغوں نے معطل کر رکھا ہے۔

میراث میں آئی ہے انہیں مسندِ ارشاد
زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن

نبی پاکؐ کے بعد من حیث الامت مسلمہ مقام سلطانی پر فائز ہے قرونِ اولیٰ والا نظام کو پھر سے نافذ کیے جانے والا ہے۔ میرے اعتبار سے درجہ ذیل آیۃ کریمہ میں اسی حقیقت کی طرف رہنمائی ہے۔

وکذلک جعلنکم اُمته وسطا لتکونو شھدآء علی الناس ویکون الرسول علیکم شھیداo

اِس آیت میں اُمت وسطیٰ اور شہید کے الفاظ قابلِ غور ہیں مختلف علماء نے اپنے اپنے اعتبار سے ان الفاظ کی مختلف تشریح کی ہے۔ ایک بزرگ نے اُمت وسطیٰ کا معنی افضل اُمت کیا ہے۔ احمد اور شہید کا معنی گواہ اور نگہبان کیا ہے۔ دوسرے بزرگوں نے اُمت وسطیٰ کا معنی معتدل اُمت اور شہید کے معنی گواہی کے لئے ہیں۔ مگر اسکی تشریح یوں زیادہ قرین قیاس ہے کہ "تمہیں ایک درمیانی وسطہ یا وسیلہ والی اُمت بنایا جس طرح رسول کو اپنے (اللہ) کے اور تمہارے درمیان واسطہ بنایا تھا کہ مجھ سے (اللہ سے) ہدایت لیکر تمہیں پہنچاتا تھا۔ تم بھی اللہ کا دین لوگوں تک

پہنچانے کا واسطہ اور وسیلہ بنوتا کہ آخرت میں یہ گواہی دے سکو کہ اے اللہ ہم نے تیرا دین لوگوں تک پہنچا دیا تھا۔ یہ فریضہ محض تبلیغ اور اپیلوں سے ادا نہیں کیا جا سکتا اس کے لیے قوت نافذہ مومن غیور جسور اور مزکّٰی قیادت کے قبضہ میں ہونی چاہیے کیونکہ

قوت بے فکر جہل است و جنوں
فکر بے قوت ہمہ مکر و فسوں

اب انسانیت کی سب اہم خدمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا عطاء کردہ قانون پھر سے نافذ کر دیا جائے تا کہ یہ جہاں بھی جنت نظیر بن جائے اور آخرت بھی سنور جائے اللہ کا یہ قانون یا نظام حیات تین مرحلوں میں نافذ ہوگا۔

(1) انفرادی مرحلہ (2) قومی مرحلہ (3) بین الاقوامی مرحلہ

انفرادی زندگی کا اعلیٰ نصب العین انسان مرتضیٰ بننا ہے ایسا انسان جسے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہو یہ مقام بغیر تزکیہ کے حاصل نہیں ہو سکتا تزکیہ کیا ہے؟ انسانی فطرت کے دو پہلو ہیں۔ ایک ہے فطرت بالفعل یعنی جبلی داعیات، طبعی خواہشات اور نفسیاتی تقاضے جو اپنی تکمیل بغیر کسی قید کے چاہتے ہیں۔ دوسرا ہے فطرت بالقوہ جو فجور اور تقویٰ کے امتیاز یعنی فرق، ربوبیت کے اقرار اور امانت کی ذمہ داری کے احساس پر مشتمل ہے قرآن پاک میں ہے کہ انسان کی تخلیق بہترین ساخت پر ہوئی ہے اور حضورؐ نے فرمایا کہ ہر بچہ مسلمان پیدا ہوتا ہے۔ بعد میں اسکے والدین یا ماحول اسے عیسائی یا یہودی وغیرہ بنا دیتے ہیں۔ اسطرح ابتداء میں جو ماحول یا تعلیم میسر آتی ہے اس سے فطرت بالقوہ دب جاتی ہے اور فطرت بالفعل کو من مانی کرنے اور کُھل کھلانے کا موقع مل جاتا ہے۔ تزکیہ سے مراد قوت بالفعل میں اعتدال پیدا کرنا یعنی غلط روی کے میدان پر قابو پانا ہے۔ تزکیہ وہ باطنی پاکیزگی ہے جو علم اخلاق اور مذہب کے لیے ضروری ہے انسانی فطرت کا جو میدان **راضیۃ مرضیہ** کی کیفیت کے پیدا ہونے میں رکاوٹ ہے اس کا دور کرنا ہی تزکیہ ہے۔ تعلق باللہ انسان کی فطرت بالقوہ میں داخل ہے مگر تزکیہ نفس نہ ہونے سے

اس کاتعلق ادارک اس لیے نہیں ہوتا کہ فطرت بالفعل کی خواہشات جو پہلے بیان ہوئی ہیں حجاب بنی رہتی ہیں۔غور کریں تو معلوم ہوگا کہ اصل میں یہ حجاب بھی خدا طلبی کی راہ میں ایک سازگار شرط کی حیثیت رکھتا ہے۔کیونکہ یہ مذاحمت خوابیدہ عزم کو بیدار کرتی ہےاور انجام کار وہ حجاب رفع ہوجاتا ہے۔

تزکیہ: تزکیہ کی دو شرتیں ہیں۔ایک نبی کی بعثت کے مقصود یعنی غلبہ دین حق کی سعی کو اپنانا دوسری اپنا مال دوسروں کی زندگی سے معاشی تعطل کو دور کرنے کے لئے خرچ کرنا بھی زندگی کی دوڑ میں شریک ہوسکیں جیسے قرآن مجید میں ایک جگہ فرمایا گیا ہے کہ متقی وہ ہے جو اپنا مال اپنے تزکیہ کیلئے دوسروں کو دیتا ہے۔لیکن تصوف کی کتابیں پڑھنے یا متصوفین کی باتیں سُننے سے تزکیہ حاصل نہیں ہوتا یہ مقام اللہ تعالٰی کے عطائے خاص ہےاور کسی مردِ درویش کی نظر اور صحبت کے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔سورۃ اعلیٰ میں فرمایا گیا ہےقدافلح من تزکی یعنی فلاح پا گیا وہ جس کا تزکیہ ہوا۔اور تزکیہ کرنا حضور نبی کریمؐ کے مقاصدِ بعثت میں شامل تھا۔

صحابہ کرام کو باقی اُمت پر جو فضیلت حاصل ہے اس کی وجہ کثرتِ عبادت نہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت ہے۔

این سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ
داد اور اشرط قابلیت نیست بلکہ شرط قابلیت داد است
یک زمانہ صحبت با اولیا بہ از طاعت صد سالہ بے ریا
صحبت صالح تیرا صالح کند صحبت طالح تیرا طالح کند

دوسرا یعنی قومی مرحلہ یا اجتماعی نصب العین:۔

اسلام ایک اجتماعی مذہب ہے کہ فرد ایک بنیادی اینٹ ہے مگر بکھری ہوئی اینٹوں کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی جب تک وہ ایک دوسری سے جُڑ کر ایک مضبوط دیوار یا عمارت کی صورت اختیار نہیں کرتیں۔اسلامی معاشرہ مزکی افراد پر مشتمل ہوتا ہے یہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک

اجتماعی زندگی کے تینوں پہلوؤں یعنی معاشرت معیشت اور سیاست کی اصلاح نہ ہو جائے۔

(ا) معاشرتی پہلو کی اصلاح یہ ہے کہ نسلی تفاخر اور خود پسندی کی جگہ اخوت اور بھائی چارے کا جذبہ پیدا ہو یہ بھی ممکن ہے کہ ہر فرد پہلے مرحلے یعنی تزکیہ نفس سے گزرے لیکن وہیں پھنسا نہ رہے۔

(ب) معاشی پہلو کی اصلاح یہ ہے کہ حرص، لالچ اور بخل کی بجائے انفاق فی سبیل اللہ، ایثار اور احسان کا تقاضہ غالب ہو یہ بھی پہلے مرحلے سے گزرے ہوئے لوگ ہی کر سکتے ہیں۔اس لئے پہلا مرحلہ بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے۔ابتداً حضورؐ نے سب سے زیادہ محنت اور توجہ اسی پر دی اسی لئے اگلے مرحلے نسبتاً آسانی سے طے ہوئے پہلے مرحلے کے لئے ساری زندگی ریفریشر کو اس کا انتظام کیا گیا ہے تا کہ اس کی آب و تاب ماند نہ پڑنے پائے۔

(ج) سیاسی پہلو کی اصلاح طلب خاصیت ہوس اقتدار برائے اقتدار ہے۔کیونکہ جب معاشرہ منظم ہوتا ہے حاکم و محکوم دو طبقے وجود میں آتے ہیں تو سیاسی حیثیت اختیار کرتا ہے۔حاکم طبقہ کو قانوناً یہ اختیار حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ رعایا سے جبراً بھی اطاعت کروا سکتا ہے۔اگر اطاعت طلب کرنے کا محرک ہوس اقتدار برائے اقتدار ہو تو سیاسی تنظیم میں تناقص پیدا ہو جاتا ہے اور یزیدیت و چنگیزیت پر مبنی ایک ظالمانہ نظام وجود میں آتا ہے۔جسکے نتیجہ میں مطالب حقوق محرک عمل بن جاتا ہے اور سیاسی تناقص کا رفع ہونا ناممکن بن جاتا ہے کیونکہ حقوق طلب کرنے والا طبقہ بدنظامی اور بغاوت تک کا مرتکب متصور ہوتا ہے۔اور مقتدر طبقہ ظالم اور غاصب متصور ہوتا ہے یہ تصادم پھر کبھی ختم نہیں ہوتا۔

اس صورت حال کی اصلاح یہ ہے کہ فرائض کی انجام دہی یعنی ایتائے حقوق محرک عمل ہو۔ اس طرح حقوق طلبی کا موقع ہی نہیں رہے گا کیونکہ فرائض کی انجام دہی کی وجہ سے حقوق پہلے ہی حقداروں تک پہنچ چکے ہوں گے۔لہٰذا تصادم کی نوبت ہی نہیں آئے گی۔مگر یہ تب ممکن ہو گا جب حاکم اور محکوم کے درمیان کلمہ طیبہ کی بنیاد پر معاہدہ عمرانی وجود میں آئے جسکے نتیجہ میں راعی اور رعایا دونوں کیلئے اللہ کی طرف سے نازل شدہ احکام یکساں واجب التعمیل ہوں۔اس طرح ایک مثالی

ریاست یا معاشرہ وجود میں آ جائے گا جسکی خصوصیات یہ ہونگی۔

(1) یہ معاشرہ نوع انسانی کی وحدت کے تصور پر مبنی ہوگا۔

(2) اخلاقی جدوجہد کرنے والے اور روحانی الذہن افراد پر مشتمل ہوگا۔

(3) یہ معاشرہ ہر قسم کے جزی ملال سے محفوظ ہوگا۔

(4) اس معاشرے کے استحکام کی اساس محمد رسول اللہ کی غیر مشروط اطاعت اور غیر منقسم وفاداری ہوگی اس قسم کا معاشرہ مقصود بعثت رسولؐ ہے جو کہ غلبہ دین وحق کی جدوجہد کر سکتا ہے۔

بین الاقوامی مرحلہ:۔

باوجود انتہائی مادی ترقی کے انسانیت اس وقت خوف وہراس اور ذہنی وقلبی کرب میں مبتلا ہے۔ ہر آن ایٹمی جنگ کے خطرات سروں پر منڈلاتے رہتے ہیں بے یقینی کی حالت اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ پتہ نہیں یہ خطرناک ہتھیاروں کے انبار کب دُنیا کو تباہ و برباد کردیں۔

اس سے بھی بڑھ کر دہشت گردی ہے۔ جس نے ساری دنیا وانسانیت کی نیندیں حرام کر دیں ہیں جسکی ذمہ داری مقتدر سپر پاور پر ہے۔ عالمی انصاف میں ان کا دُہرا معیار اور اسلام دشمنی اس سارے فساد کی جڑ ہے۔

اس صورت حال کا علاج عالم اسلام میں اتحاد ہے اور اسکا محرک اسلام اور مسلمانوں کے خلاف وہ عداوت ہے جو اتنی شدید ہو چکی ہے کہ اس میں شدید تر ہونے کی گنجائش نہیں رہی اسکے باوجود مسلمان جو کہ کرہ ارض کی آبادی کا کم وبیش ایک تہائی ہیں اور تقریباً ترپن 53 یا چون 54 متخاصم ریاستوں میں بٹے ہوئے ہیں جسکا حقیقی سبب یہ ہے کہ جس نصب العین نے انکو متحد کیا تھا وہ نظروں سے اُوجھل ہو گیا تنظیم واتحاد کا شعور بٹ گیا۔ فضائل اخلاق منسوخ ہو گئے۔ روحانی واخلاقی اقتدار ختم ہوگئیں۔

باوجود اسکے کہ مسلمانوں کی بہت سی ریاستیں وجود میں آ گئی ہیں مگر ہماری قوت فیصلہ مفلوج

ہو کر رہ گئی ہے۔اسلیئے اسلام دشمن قوتیں جب چاہیں جس مسلم ریاست پر چاہیں چڑھ دوڑتی ہیں اور ہم احتجاج بھی نہیں کر سکتے ہم اپنی راہ شکوک کے اندھیروں میں ٹٹول رہے ہیں بصیرت کے فقدان کی وجہ سے غیر اسلامی اخلاقیات بلکہ رسوم کو اپنے اندر جذب کرنے کی کوشش کر رہے ہیں جس کے نتیجے میں ہر جگہ پٹ رہے ہیں۔اس صورت حال سے نکلنے کیلئے واحد راستہ ہے کہ پہلے مرحلے سے نکل کر دوسرے مرحلے میں داخل ہوا جائے۔یعنی تزکیہ کے بعد یہ جدوجہد کرنا پڑے گی کہ مسلم ریاستوں میں عموماً اور پاکستان میں خصوصاً قوت نافذہ ایسے افراد کے ہاتھوں میں دی جائے جو معاشرے میں اخلاقی، روحانی، اور مادی قوت کی تکمیل پر زور دیں اور اللہ کے دین کو اخلاص کے ساتھ غالب کرنے کی جدوجہد کریں۔صرف پہلے مرحلے کے ہی مزے لوٹتے رہنا خودغرضی کے سوا کچھ نہیں جو کہ خدمت عامہ کی ضد ہے چیلوں اور مجاہدوں کا نصب العین اگر کشف کرامات ہی ہیں تو یہ وقت کا ضیاع ہے اور کشف کرامات اسدراج سے آگے کوئی شے نہیں۔ایسے انسانوں سے معاشرے کو کوئی فائدہ نہیں۔البتہ ریاضت اور کشف کرنے کے کرتب سیکھ لیے کہ پہلے کھلی آنکھ سے دیکھتا تھا اب آنکھ بند کر کے بھی دیکھ لیتا ہے پہلے سامنے کی طرف دیکھ سکتا تھا اب گردن گھمائے بغیر پیچھے بھی دیکھ لیتا ہے۔پہلے بذریعہ کشتی یا تیر کر دریا عبور کرتا تھا۔اب پانی پر چل سکتا ہے۔وغیرہ یہ سب کرتب اور شعبدہ بازی ہے۔حیرت اس بات کی ہے کہ ان کرتبوں کے حصول کا نام خود آگاہی و خود شناسی رکھ دیا گیا ہے۔ان کرتبوں میں **تطهیر القلب عن** ماسواللہ کا کوئی عمل دخل نہیں جسکے بغیر خداشناسی و خودشناسی محال ہے۔اصل دین ایماں کے بعد فلاح آدمیت ہے اور فلاح کا راز غلبہ دین حق میں ہے۔اللہ کی رحمت سے ناامید نہیں ہونا چاہیے۔**لا تقنطوا من رحمت اللہ** مگر حالت یہ ہے کہ چاروں طرف گھٹاٹوپ اندھیرا ہے کچھ سجھائی نہیں دیتا سوائے صادق الصدوق کی پیشن گوئی کے کہ بالآخر اسلام ہی غالب آئے گا اور یہی روشنی کی کرن ہے۔آپؐ نے فرمایا تھا کہ مجھے ہندوستان کی طرف سے ٹھنڈی ہوا آتی ہے۔ٹھنڈی ہوا آئی جہاں سے سرکارؐ کو میرا وطن یہی ہے میرا وطن یہی ہے۔

اسلامی تصوّف قرآن وسنت کی روشنی میں

(خالد محمود۔ملتان)

لفظ تصوّف کی وجہ تسمیہ: صوفیاء کا نصبُ العین صفائے باطن ہے اس لئے صوفی کہلائے، یہ حضرات اکثر صوف یعنی اُون کا کپڑا پہنتے تھے اس نسبت سے بھی صوفی مشہور ہو گئے۔عاشقان رسول ﷺ تزکیہ نفس اور اصلاح باطن کی عملی تعلیم و تربیت کیلئے ہر وقت موجود رہتے اصحاب صفہ کہلاتے تھے۔ان حضرات کا مسلک اصحاب صفہ کے مسلک کے مطابق تھا یعنی گوشہ نشینی اور ہمہ وقت یادِ الٰہی میں مشغول رہنا تھا اس نسبت سے صوفیاء کرام کے نام سے موسوم ہو گئے۔ تصوّف اوقات کی محافظت کرنے کا نام ہے اور حفظِ اوقات یہ ہے کہ بندہ اپنی حدود کے سوا کسی اور چیز کی طرف نگاہ نہ رکھے اور اپنے ربّ کے سوا کسی اور کے ساتھ موافقت نہ کرے اور اپنے وقت کے سوا کسی اور کا ساتھ نہ دے ہمیشہ وقت کے مطابق افضل کام میں مشغول رہے۔حق تعالیٰ کا مطیع و فرمانبردار رہنے کا نام تصوف ہے۔نفس کو حظوظ نفسانی سے باز رکھنے، پاکی معاملات، پاکیء باطن، انشراح صدر اور صف اوّل کے لوگوں کی صفات رکھنے کا نام تصوّف ہے۔تصوّف کا اصل مقصود ذاتِ باری تعالیٰ کی معرفت و حقیقت حاصل کرنا ہے۔تصوّف اور دوسرے علوم میں یہ فرق ہے کہ اور علوم تو پہلے حاصل کیے جاتے ہیں پھر ان پر عمل کیا جاتا ہے لیکن تصوّف میں اس کے برعکس پہلے کچھ عمل کرنے پڑتے ہیں پھر علم حاصل ہوتا ہے۔تصوّف اسلام کے لئے مخصوص نہیں بلکہ ہر مذہب میں موجود ہے اللہ نے تصوّف کے طریقوں کو **"حکمت"** فرمایا ہے۔قرآن میں حکمت سے مراد فلسفہ نہیں بلکہ علم الحقائق اشیاء ہے۔علم تصوف دنیا کے تمام علوم میں سب سے افضل ہے وہی لوگ حاصل کر سکتے ہیں جن میں اللہ نے اس کے حصول کی صلاحیت رکھی ہو یہ معمولی لوگ نہیں ہوتے بلکہ خاص لوگ ہوتے ہیں۔

اصل تصوّف:

تصوّف کی اصل احسان ہے یعنی صدقِ توجہ الی اللہ کا نام مرتبہ احسان ہے جو جملہ کمالات ظاہری و باطنی کی اصل ہے دل کو ماسوائے اللہ سے پاک رکھنا اور محبوب حقیقی کے سوا کسی کا اپنے دل میں گزر نہ ہونے دینا سرمایہ احسان ہے جو تصوّف کے نام سے موسوم ہوا تصوّف نام ہے مجموعہ شریعت، طریقت، حقیقت اور معرفت کا، شریعت راستہ ہے، طریقت کا مطلب ہے اس راستہ پر چلنا اور جس مقام یا منزل مقصود کی طرف یہ راستہ راہنمائی کرتا ہے وہ **حقیقت** کہلاتا ہے اور حقیقت کی روشنی میں جو علم سالکِ راہ طریقت کو حاصل ہوتا ہے یا اس راہ میں جو انکشاف ہوتا ہے اسے معرفت کہتے ہیں اور صاحب انکشاف کو محقق عارف کہتے ہیں گویا شریعت پر عمل پیرا ہونے کا نام طریقت یا تصوّف ہے۔ شریعت کا وہ جزو جو اعمال باطنی سے متعلق ہے تصوف و سلوک اور وہ جزو، جو اعمال ظاہری سے متعلق ہے فقہ کہلاتا ہے اس کا موضوع تہذیب و اخلاق رضائے الٰہی ہے۔ اس کے حصول کا ذریعہ شریعت کے حکموں پر پورے طور پر چلنا ہے گویا تصوّف دین کی روح اور معنی یا کیف و کمال کا نام ہے جو مقصود حیات ہے۔ تصوف و طریقت دین و شریعت کے قطعاً منافی نہیں۔ تصوّف کے اصولِ صحیحہ قرآن و حدیث میں موجود ہیں۔ تصوف علم باطن ہے اور اعلیٰ اخلاق کو اختیار کرنا اور پست اخلاق سے پرہیز کرنے کا نام ہے تمام ترقیاں اسی پر موقوف ہیں کہ شریعت پر بھی ثابت قدم رہے۔

مشائخ نے شریعت کو طریقت سے الگ نہیں کیا بلکہ ہمیشہ طریقت کو شریعت کے تابع رکھا ہے۔ اعمال باطنی کے طریقوں کو طریقت کہتے ہیں اعمال کی درستگی سے قلب میں جلا و صفا پیدا ہوتا ہے اس میں نہ کشف و کرامت ضروری ہے نہ قیامت میں بخشوانے کی ذمہ داری ہے اور نہ دنیا میں کار براری کا وعدہ۔

صحوی تصوّف کے معنی ہیں تصوف بیدار اور **سکری** تصوّف کے معنی ہیں تصوف خفتہ یہ

انسانیت کی اقیم ہے اس سے صوفی فرشتہ تو بن سکتا ہے لیکن انسان نہیں یہ زندگی کے راز سے بے خبر ہیں یہ شرابی تصوف قوم کیلئے موت کا پیغام ہے جو ست، کاہل بنا دیتا ہے۔ سکری فقیروں کو نشئی فقیر کہتے ہیں صحوی صوفی جو مردوں کو جگاتے ہیں اور جینے والوں کو پر لگا کر اڑاتے ہیں۔ مسلمانوں کو مغربی تہذیب کے سحر اور خواب سے بیدار کرنے کے لئے ضروری ہے کہ انہیں تصوف خفتہ کی افیون سے نجات دلا کر تصوف بیدار سے آشنا کیا جائے۔ تصوف کی ایک مبہم صورت بنا رکھی ہے اسی وجہ سے اس کی حقیقت مدت سے مستور چلی آتی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بعض علوم ایسے ہیں جو بند ھے ہوئے ہیں راز کی صورت میں ہیں اور جنہیں اہل معرفت کے سوا کوئی نہیں جانتا اور جب یہ اہل معرفت گفتگو کرتے ہیں تو صرف وہی لوگ اس کے منکر ہوتے ہیں جو اللہ سے غافل ہیں۔

تصوّف کے انسانی زندگی پر اثرات

صوفی وہ ہے جو ہمیشہ تزکیہ نفس کرتا رہے اور اپنے قلب کو نفسانی آلائشوں سے صاف کر کے ہمیشہ اپنے اوقات کو کدورتوں سے پاک و صاف رکھے ہر وقت اپنے مولا کے سامنے سر نیاز خم کرتا رہے اس کی یہ نیازمندی اس کا دل صاف کر کے کدورتوں کو دور کرتی ہے۔ جب کبھی نفسانی حرکات وصفات نمودار ہوتی ہیں تو وہ صوفی اپنی بصیرت کاملہ سے اسے بھانپ لیتا ہے پھر اللہ کی طرف لوٹتا ہے۔ تصفیہ قلب کے ذریعے اس کی دل جمعی ہوتی ہے اور نفسانی حرکات سے اس کے قلب کو پریشانی اور کدورت لاحق ہوتی ہے اس لئے اللہ سے قلبی تعلق قائم کرتا ہے جو اس کے قلب کو اس کے نفس پر حاوی رکھتا ہے صرف اللہ سے واسطہ رہتے ہے۔ اس کو دنیا کے جھگڑوں، اس کی عزت، اولاد، کھانے، پینے اور دوسری لذتوں سے کوئی سروکار نہیں، نہ انہیں عمدہ لباس پہننے کا شوق ہے نہ اور کسی شہر میں جا کر ان کی روح کوئی خوشی محسوس کرتی ہے تاہم وہ روحانی منازل طے کرنے میں جلدی کرتے ہیں تا کہ دائمی قربت الٰہی کی مسافت کو کم کر سکیں۔ ان کی اوصاف

اہلِ صفہ کے اوصاف سے ملتے جلتے ہیں جو عہدِ رسالت میں تھے اس لئے ان کا نام صوفی پڑ گیا اہلِ تصوّف اللہ تعالیٰ کے حضور میں پہلی صف میں ہیں اس لئے کہ ان کی ہمتیں بلند ہو کر اللہ کی طرف چلی جاتی ہیں اللہ کے حضور اپنے باطن کے ساتھ پیش ہوتے ہیں۔ روح کی کشش ہمیشہ بارگاہِ الٰہی کی طرف ہوتی ہے یعنی صوفی کی روح ہمیشہ بلند مقاماتِ الٰہی تک پہنچنے کی تگ و دو کرتی ہے مگر اس کا نفس اپنی وضع کے مطابق عالمِ سفلی میں تہ نشین ہونا چاہتا ہے اور پیچھے کی طرف لوٹتا ہے اس لئے صوفی کو (روح و نفس کی اس کش مکش میں) میں مسلسل جد وجہد کرنا پڑتی ہے وہ ہمیشہ اللہ کا محتاج ہو کر اس کی پناہ ڈھونڈتا ہے اور اپنے نفس کی اچھی طرح دیکھ بھال کرتا رہتا ہے اور آخرت کے کاموں میں اس قدر مستغرق رہتے ہیں اپنے نفس کو لذّت و راحت پہنچانے کی طرف ان کا دھیان بھی نہیں جاتا۔ علم الٰہی اس کی صفت ہے عبادت اس کا حلیہ ہے تقویٰ اور پرہیز گاری اس کا شعار ہے اور حقیقت اس کے اسرار و رموز ہیں ان کی آتشِ شوق و مستی ہر وقت شعلہ زن ہے۔

بزرگوں کے اقوال:

صوفی وہ ہے جس کا دل اللہ کی خاطر پاک وصاف اور سینہ نورانی ہو جو ہر قسم کی میل کچیل سے پاک ہو کر ہمہ تن غور وفکر اور خلوق کو چھوڑ کر اللہ ہی کا ہو گیا ہو اور اس کے نزدیک سونا اور مٹی کا ڈھیلہ یکساں ہو۔

- صوفی وہ ہے جسے کسی چیز کی طلب تنگ نہیں کرتی اور نہ کسی چیز کی ضرورت اور ملکیت اسے پریشان کرتی ہے۔
- صوفی کا وجود اللہ کے ساتھ قائم ہے وہ اپنے آپ کو کھو چکا ہے وہ اپنے ارادہ سے کام نہیں کرتا اس کا کام اللہ کی مرضی کے تابع ہوتا ہے۔ ایک بزرگ نے فرمایا "صوفی وہ ہے جو کدورت سے صاف اور فکر و شوق و مستی سے مخمور ہو، انسانوں سے الگ ہو کر صرف اللہ سے لو لگائے بیٹھا ہو اور اس کی نظر میں سونا اور مٹی برابر ہوں"۔ تصوف سراپا اضطراب ہے، اگر اس میں سکون وانجماد آجائے تو تصوّف برقرار نہیں رہے گا۔

عائشہ عبد(آسٹریلیا)

عائشہ عبد کا تعلق آسٹریلیا کے ایک بدھ خاندان سے ہے۔انہوں نے اگست ۱۹۹۴ء میں اسلام قبول کیا جس کے بعد انہیں مختلف قسم کی آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑا۔ان کے قبولِ اسلام کا یہ واقعہ دہلی کے انگریزی ہفتہ روزہ "RADIANCE" میں شائع ہوا تھا(شمارہ ۹ مارچ ۱۹۹۷ء)جہاں سے راقم نے اسے اردو کا جامہ پہنایا ہے۔

یہ اللہ کا مجھ پر خاص کرم ہے کہ جب سے میں نے ہوش سنبھالا اور ذہن سے سوچنا شروع کیا،میرا یقین اس امر پر جم گیا کہ اس کائنات کا ایک ہی خالق ہے اور دنیا کی ہر چیز ہر معاملے میں اسی کی محتاج ہے۔اگرچہ میرے والدین کا تعلق بدھ مذہب سے ہے،لیکن تیرہ سال کی عمر سے میرا یہ مستقل معمول بن گیا کہ میں پابندی کے ساتھ روزانہ خالقِ کائنات سے دُعا کیا کرتی کہ وہ میری رہنمائی فرمائے،لیکن اردگرد کا سارا ماحول چونکہ عیسائی اکثریت کے رنگ میں رنگا ہوا تھا،اس لیے سکول میں داخل ہوئی تو مجموعی فضا کے تحت میں نے بھی اپنے آپ کو عیسائی قرار دے لیا۔

مجھے اس امر کا بڑا افسوس ہے کہ اسلام کے بارے میں میری معلومات بڑی ہی منفی تھیں۔میں سمجھتی تھی کہ یہ اُوٹ پٹانگ قسم کا وحشی سا مذہب ہے جو شرقِ وسطیٰ کی چند اقوام تک محدود ہے۔ان اقوام کا طرزِ زندگی خطرناک حد تک تنگ نظری اور گھٹن کا شکار ہے اور خصوصاً عورتوں سے تو ان کا سلوک بڑا ہی سنگدلانہ ہے۔انہیں سختی سے گھروں میں پابند رکھا جاتا ہے،ان کی حیثیت زرخرید غلاموں کی سی ہے اور انہیں کوئی انسانی حقوق حاصل نہیں۔اردگرد کے ماحول میں ایسی باتیں عام ہوتی تھیں کہ مسلمانوں کے ہر گھر میں کم از کم چار بیویاں ضرور ہوتی ہیں اور خاوند جب چاہتا ہے کسی ایک کو دھکے دے کر باہر نکال دیتا ہے اور نئی بیوی لے آتا ہے۔عام شنید کے علاوہ ٹیلی ویژن پر سعودی عرب اور ایران کے بارے میں ایسی فلمیں بھی دکھائی گئیں جس سے اس نوعیت کا تاثر پیدا ہونا قدرتی بات تھی۔

تین برس قبل جب میں نے یونیورسٹی میں داخلہ لیا تو وہاں مختلف ملکوں سے تعلق رکھنے والے متعدد مسلمان طالب علموں سے واسطہ پڑا۔ چونکہ اسلام کے بارے میں متذکرہ نوعیت کی عجیب وغریب باتیں سنی تھیں، اس لیے محض تجسس اور ضرورت کی خاطر میں ان طالب علموں کے قریب ہوئی تا کہ ان کے مذہب کے بارے میں ضروری معلومات حاصل کرسکوں۔۔۔لیکن یہ دیکھ کر میں تو ہکی بکی رہ گئی کہ وہ وقار، ضبطِ نفس اور صبر کی خاص خصوصیت رکھتے ہیں۔ یورپین نوجوانوں کی طرح عورت کو دیکھتے ہی ان کی رال نہیں ٹپک پڑتی۔اس کے برعکس میں نے عورت کے لیے ان کے اندر ایک خاص احترام کا اسلوب دیکھا جس کا اس سے پہلے کبھی تجربہ یا مشاہدہ نہیں ہوا تھا۔

یہ مسلمان طالب علم بہت سے خوبیوں کے مالک تھے۔صاف ذہن کے، خوش اخلاق اور مخلص۔سب سے بڑھ کر یہ نوجوان اپنے مذہب پر فخر کرتے تھے۔وہ دعوے سے کہتے تھے کہ ان کا مذہب عقل وادراک کے عین مطابق ہے حالانکہ ہماری ہاں ان کے مذہب کی بڑی ہی بھیانک تصویر کشی کی گئی تھی۔

اس طرح میرے ضمیر نے مجھے مجبور کیا کہ میں اسلام کے بارے میں ضروری معلومات حاصل کروں۔اس مقصد کے لیے مجھے ان طالب علموں نے ضروری لٹریچر مہیا کیا اور جوں جوں میں نے اس مذہب کا مطالعہ کیا، اس کی غیر معمولی خوبیوں کی معترف ہوتی چلی گئی حتیٰ کہ اس کے سامنے عیسائیت بھی مجھے ہیچ نظر آنے لگی حالانکہ مجھے اس مذہب سے خاصی قلبی وابستگی ہوگئی تھی۔ مجھے یہ جان کر بڑا ہی صدمہ ہوا کہ اسلام کے بارے میں یورپین قومیں کتنا جھوٹ بولتی ہیں اور کس دھڑلے سے اس جھوٹ کو پھیلاتی ہیں۔خصوصاً یہ پڑھ کر کہ اسلام عورت کے بارے میں غیر معمولی احترام اور محبت کا روّیہ رکھتا ہے اور ماں، بیوی، بیٹی اور بہن کی حیثیت سے اسے کتنی عزّت اور اہمیت دی جاتی ہے، میرے جذبات کا عجیب عالم ہوا۔۔۔اس مطالعے نے مجھے ایک جانب اسلامی طرزِ معاشرت سے آگاہ کیا اور دوسری طرف "اسلامی بنیاد پرستی" کی حقیقت واضح

ہوگئی جسے پروپیگنڈے کے طور پر امریکی ذرائع ابلاغ خوب پھیلاتے اور مسلمانوں کو بدنام کرتے ہیں۔۔۔حقیقت یہ ہے کہ جس شخص میں تھوڑی سی بھی عقل ہو اور اس کے دماغ کی کھڑکیاں بند نہ ہوں، وہ ان حقائق کا ادراک کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔

جوں جوں میں اسلام کے بارے میں مطالعہ کرتی گئی اور جوں جوں اس مذہب کا جمال نکھر کر میرے سامنے آتا چلا گیا، میں اس کی شیدائی بنتی چلی گئی۔جی چاہتا کہ اسلام کے بارے میں ہر چیز معلوم کی جائے، اس کے حسن و جمال کا ہر رخ دیکھا جائے۔چنانچہ میں اس نتیجے پر پہنچی کہ اسلام واقعی مکمل ضابطۂ حیات ہے اور اس نے زندگی کے ایک ایک معاملے میں انسانوں کو بہترین رہنمائی مہیا کی ہے۔یہ بڑا ہی قابلِ عمل مذہب ہے اور اس کی کوئی تعلیم ایسی نہیں جسے عملی زندگی میں بروئے کار نہ لایا جاسکتا ہو۔اس طرح جب عیسائیت کی نظری و عملی خامیاں بھی مجھ پر عیاں ہوگئیں اور اسلام کی ساری صداقتیں نکھر کر سامنے آگئیں تو ۱۴ اگست ۱۹۹۴ء کی دوپہر کو میں نے تقریباً بیس مسلمانوں کے ایک اجتماع میں کلمہ شہادت پڑھا اور اللہ کے فضل سے مسلمان ہوگئی۔ یہ دن میری زندگی کا یقیناً سب سے مبارک دن تھا اور میں اللہ تعالیٰ کا شکر نہیں ادا کرسکتی کہ ایک ہی سال کے عرصے میں اس نے مجھے اسلام کی نعتِ عظمیٰ عطا فرمادی اور نوعمری کی وہ دعا قبول کرلی کہ خدایا مجھے سیدھا راستہ دکھا، مجھے ہدایت عطا فرما۔

مجھ سے بعض لوگ پوچھتے ہیں کہ اسلام قبول کرنے کے بعد مجھے کس طرح کے حالات کا سامنا کرنا پڑا تو گزارش ہی کہ جونہی میرے والدین کو میرے قبولِ اسلام کا پتہ چلا، گھر میں گویا بھونچال آگیا۔انہیں میرے عیسائی ہونے پر تو کوئی اعتراض نہ تھا مگر اسلام قبول کرنے پر وہ صدمے سے بے حال ہوگئے۔گھر کے سب لوگ مجھے کھا جانے والی نظروں سے دیکھتے، طنز و تمسخر کا نشانہ بناتے، گالیاں دیتے اور دھمکاتے رہتے۔بارہا ایسا ہوا کہ میری غیر موجودگی میں میرے کمرے کو تہس نہس کردیا جاتا، ہر چیز درہم برہم کردی جاتی، کتابیں غائب ہوتیں اور میری دوستوں اور ان کے والدین کو میرے بارے میں توہین آمیز ٹیلی فون کیے جاتے۔اکثر ایسا ہوتا

کہ گھر میں بھی داخل نہ ہوسکوں۔اس طرح میں بھوکی پیاسی سوجاتی۔میری ڈاک کھول لی جاتی،میرا جیب خرچ بند کردیا گیا۔میری غیر موجودگی میں میرا فون پر کوئی پیغام آتا،تو مجھ تک نہ پہنچایا جاتا اور مسجد سے یا کسی اسلامی تقریب سے کوئی دعوت نامہ آتا،تو وہ بھی روک لیا جاتا۔ گھر والے کوشش کرتے کہ میں کسی مسلمان سے نہ ملوں۔انہیں خطرہ تھا کہ اس سے میری مزید برین واشنگ ہو جائے گی۔

حالت یہ تھی کہ کسی کی موجودگی میں میرے لیے نماز پڑھنا محال ہوگیا۔لوگ آوازیں کستے، شور مچاتے اور گالیاں دیتے۔رمضان میں روزہ رکھنا تو اور بھی محال ہوگیا۔اللہ کا شکر ہے میں نے ایک روزہ بھی ترک نہ کیا،لیکن گھر کے ماحول نے مجھے پریشان کرنے اور اس عبادت میں مخل ہونے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔۔۔میری والدہ نے رمضان کا پورا مہینہ مجھ سے بات تک نہ کی۔ اکثر بڑا بڑاتیں کہ تم نے والدین کی ناک کٹوا دی ہے اور انہیں کہیں منہ دکھانے کے لائق نہیں چھوڑا۔مجھے اذیت دینے کے لیے گھر والے ایسی فلمیں لگا دیتے جن میں مسلمانوں اور اسلام کے لیے تضحیک اور تمسخر کا سامان ہوتا اور اسلام کی شکل بگاڑ کر پیش کی گئی ہوتی۔گھر کے مختلف افراد اکثر وبیشتر اس خطرے کی نشاندہی کرتے کہ اسلام قبول کر کے میں نے سارے خاندان کی عزت غیر محفوظ کر دی ہے اور اگر ہمارے رشتہ داروں اور قریبی احباب کو میری اس حرکت کا پتہ چل گیا تو وہ ہمارا بائیکاٹ کر دیں گے۔

آزمائشوں کی یہ یلغار تھی لیکن حیرت انگیز طور پر اللہ نے مجھے صبر اور حوصلے کی غیر معمولی طاقت عطا فرما دی۔میں نے گھر کے سارے افراد کے منفی روّیے کے جواب میں مثبت ردِّعمل ہی کا اظہار کیا جس کے نتیجے میں، میں قلبی طمانیت اور سکون کی ایک ایسی کیفیت سے آشنا ہوئی، جس کا اظہار لفظوں میں ناممکن ہے۔ذہنی مسرّت کا یہ عالم تھا گویا دنیا بھر کے خزانے میرے قدموں میں ڈھیر ہو گئے ہیں۔اس زمانے میں اللہ نے مجھ پر بے حد حساب فضل فرمائے اور مایوسی کی کوئی ایک لہر بھی میرے قریب سے نہ گزرنے پائی۔یوں لگتا تھا جیسے اس کا دستِ شفقت

ہر وقت میرے سر پر موجود ہے۔کاش میں بتا سکتی کہ ابتلاء کے اس دور میں میں نے اس کی رحمتوں کے کیا کیا مزے لوٹے ہیں۔چنانچہ میں ذہنی اور عملی طور پر جس کیفیت سے ہمکنار ہوئی۔ قارئین کو اس کا ہلکا سا اندازہ اس حدیثِ قدسی سے ہو سکے گا۔

صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ فرماتے ہیں ''جو بندہ میرے بہت قریب ہو جاتا ہے میں اس کے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، میں اس کی آنکھیں بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے۔''

آزمائش کے اس دَور میں مجھے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کا قریب سے مشاہدہ کرنے کے علاوہ ایک بہت بڑا فائدہ یہ ہوا کہ مختلف انسانوں کی نفسیات سے آشنائی ہوگئی اور پتہ چلا کہ ضد تعصب اور تنگ نظری انسانوں سے کیا کیا کچھ کرواتی ہے اور قریبی خونی رشتے کس طرح کنکر پتھر کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔آزمائش کی مدّت تقریباً ایک سال تک جاری رہی حتیٰ کہ اللہ کو اپنی بندی پر رحم آ گیا اور میں نے ایک باعمل مسلمان نوجوان سے شادی کر کے والدین سے الگ رہائش اختیار کر لی۔

اللہ کا شکر ہے اس ایک سال کے دوران میں نے اسلام کے بارے میں بہت سی مزید معلومات حاصل کیں اور میرا اس دین پر ایمان محکم سے محکم تر تو ہو گیا۔میں نے قرآن کی بہت سی آیات یاد کر لی ہیں اور اس دوران میں نہ تو قرآن کی صداقت کے بارے میں میرے دل میں معمولی سا شبہ پیدا ہوا ہے نہ جدید زمانے اور علوم کے حوالے سے اسلام کے ضمن میں میرے ذہن میں کسی اعتراض نے سر اٹھایا ہے۔وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ میرا ایمان مضبوط ہوتا جا رہا ہے۔

اسلام قبول کرنے کے نتیجے میں مجھے دنیاوی اعتبار سے کتنے ہی اضافی فوائد حاصل ہوئے ہیں۔میرے اندر ایک خاص قسم کا اعتماد پیدا ہوا ہے۔میرا ایک تشخص بنا ہے اور بہادری اور دلیری کی ایک خاص کیفیت میرے اندر راسخ ہوئی ہے۔اللہ پر اعتماد اس قدر بڑھ گیا ہے کہ کسی اور

کا خوف قریب بھی نہیں پھٹکتا۔اس کی عظمت اور کبریائی کا احساس دل پر اس قدر غالب رہتا ہے کہ دنیا کی ہر چیز ہیچ نظر آتی ہے۔قرآن میں ہے "اللہ جس سے خوش ہوتا ہے،اسے ہدایت عطا فرماتا ہے۔" اللہ کا شکر کس زبان سے ادا کروں کہ اس نے مجھے ہدایت عطا فرمادی۔دعا ہے کہ مجھے اس ہدایت پر قائم رکھے اور اپنی رضا عطا فرمادے۔

ملفوظات حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ

(اقتباس از چراغِ راہ پہلا خطبہ منعقدہ نوشہرہ ورکاں 13 اپریل 1962ء)

صحوی تصوّف کے معنی ہیں تصوّف بیدار،سکری تصوّف کے معنی ہیں تصوّف خفتہ۔جب تک کسی قوم کے صوفیوں میں تصوّف بیدار کارفرما ہوتا ہے وہ قوم برابر ترقی کرتی رہتی ہے اس قوم میں زندگی،خوشی،خوشحالی اور فارغ البالی کا دور دورہ رہتا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اس قوم کے صوفی یعنی روحانی علماءزندگی کے تمام رازہائے سربستہ اور انسانی فطرت خوب واقف ہوتے ہیں۔

تصوف بیدار صوفی میں دانشمندی فراست اور دانشوری پیدا کرتا ہے۔

"اچھی طرح کان کھول کر سن لو کہ میں تم سب کو بیدار بلکہ زندہ صوفی بنانا چاہتا ہوں۔جو لوگ میری تعلیم پر عمل کریں گے دین و دنیا میں سرخرو ہوں گے اور جو اس برگشتہ ہو کر صرف شراب طہورئی کے نشہ میں بےخودی اور سرمستی کے مزے لوٹتے رہیں گے وہ آخر کار خراب وخوار ہوں گے اور پچھتائیں گے۔شرابی تصوّف قوم کیلئے موت کا پیغام ہے۔یہ آدمی کو سست،کاہل بےکار اور نکما بنا تا ہے"

اگر امتحانات نہ ہوتے تو۔۔۔!

(نادیہ طالب توحیدی)

امتحانات کا نام سن کر ذہن فوراً سکول یا کالج کے زمانے کی طرف جاتا ہے۔دنیاوی امتحانات تعلیمی امتحانات سے زیادہ مشکل اور پرخطر ہوتے ہیں۔ایک انسان کی پوری زندگی میں مشکل حالات امتحانات کی صورت میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔جیسے چھوٹے درجہ سے امتحان میں کامیابی کے بعد بڑے درجہ میں ترقی ہوجاتی ہے۔ایسے ہی انسانوں کی زندگی میں درپیش مسائل اور حالات کے بدلے میں ہمارا ردعمل یہ تعین کرتا ہے کہ ہمیں کتنے نمبر ملنے والے ہیں۔ہم سب مشکلات سے بہت جلد نا امید ہوجاتے ہیں۔حالانکہ یہ سب ہمارا ٹیسٹ ہورہا ہوتا ہے۔

موجودہ دور میں ہی دیکھ لیں اگر امتحانات نہ ہوتے تو آج کوئی ذوق شوق سے سکول و کالج نہ جاتا اگر جاتا بھی تو کبھی شوق و لگن سے نہ پڑھتا۔یقیناً ہر طالبعلم اپنی انفرادیت کھو دیتا۔خواہشات کبھی کسی دل میں پیدا نہ ہوتیں کیونکہ خواہش تو اس چیز کی کی جاتی ہے جو دسترس سے دور ہو۔ جو چیز بن مانگے ہی دستیاب ہو وہ اپنی وقعت کھو دیتی ہے۔قدم قدم پر امتحانات ہی کی وجہ سے زندگی میں دلکشی باقی ہے۔

تندیٔ بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب
یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لیے

ارشاد باری تعالیٰ ہے "تم میں سے کسی شخص کو دوسرے پر فوقیت حاصل نہیں ماسوائے متقی کے "متقی وہی شخص ہوتا ہے جو خدا کی پیدا کی ہوئی مشکلات و آزمائش کا اولوالعزمی سے مقابلہ کرتا ہو۔ نفس کے منہ زور گھوڑے کو لگام دیتا ہو۔یہ یقیناً ایک کٹھن آزمائش ہے کیونکہ نفس کے سمندر کی لہروں میں تو نیک سے نیک ترین انسان بھی بہہ جاتے ہیں۔جس کی واضح مثال حضرت آدمؑ اور حضرت حواؑ ہیں۔خدا اپنے نیک بندوں کے لیے بھی آزمائش رکھتا ہے۔حضرت آدم کا بھی

امتحان ہوا جس میں وہ کامیاب نہ ہو سکے۔ نتیجہ کے طور پر جنت سے نکالے گئے۔ اگر خدا ان کا یہ امتحان نہ لیتا تو وہ خدا کے دوسرے روپ سے آگاہ نہ ہو سکتے انہوں نے خدا کے حضور عاجزی وانکساری سے گریہ وزاری وعبادت کی اور 40 سال تک روتے رہے تب کہیں خدا کے امتحان میں پورے اترے اور خدا نے انہیں کس قدر بلند مقام ومرتبہ سے نوازا۔

اولاد، مال، دولت، عزت وشہرت یہ سب آزمائش کے سامان ہیں۔ خدا اپنے بندوں کو آزمائشوں میں ڈالتا ہے اور پھر خوب نوازتا ہے۔ مذہب اسلام میں تو بہت سہولتیں ہیں۔ کہیں بھی نا امیدی نہیں۔ گناہ کے بعد بھی توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔ صرف کمی ہے تو ہم میں ہے خدا ہمارے دل ودماغ کے پردے گرا دے تو خود ہی سمجھ آنے لگ جاتی ہے کہ خدا ہم سے ستر ماؤں سے بڑھ کر پیار کرتا ہے۔ اسکی تکالیف اور امتحانات بے مقصد نہیں۔ ان میں بھی ہمارا ہی فائدہ پوشیدہ ہے۔ آپ خود مشاہدہ کریں اپنے اردگرد جن لوگوں پر اللہ کے انعامات زیادہ ہیں وہ خود کو کچھ الگ ہی مخلوق تصور کر بیٹھتے ہیں۔ ان کے لیے دولت کی فراوانی آزمائش ہے۔

صحرا کی دھوپ اور پیاس برداشت کر کے انسان گل وگلزار وادی میں قدم رکھے تو اس کی حالت کیسی ہو سکتی ہے اسکا اندازہ آپ بخوبی کر سکتے ہیں۔ فلاح اور کامیابی اسی انسان کے حصے میں آتی ہے جو صبر واستقامت کا دامن نہیں چھوڑتا۔ دنیاوی تعلیم کے سلیبس تو ہم ازبر کر لیتے ہیں مگر زندگی کے سلیبس سے آشنائی آخری وقت میں ہوتی ہے۔ ہمارے مبلغین بھی اگر اس بات پر توجہ دیں تو بڑھتی ہوئی خودکشی کی شرح کو کم کیا جا سکتا ہے۔ ناکامی کوئی مفہوم نہیں رکھتی اگر انسان کا حوصلہ بلند ہو اسکی امید نہ ٹوٹے اور یہ وہ کام ہے جو بزرگ کرتے ہیں۔ انسان کو گرنے نہیں دیتے اپنی باتوں سے واعظ سے گرے پڑے انسانوں کے دل میں اُمید کی شمع روشن کر دیتے ہیں۔ اور پھر بگڑتے کام سنورنے لگتے ہیں۔ اسی کا دوسرا نام روحانی طاقت ہے۔ آج کے دور میں آپ سائیکالوجسٹ سے تو واقف ہوں گے جو ڈپریشن کا علاج کرتے ہیں وہ بھی انسان کی کمزوریوں کو دبا دیتے ہیں اور خوبیوں کو اُجاگر کر کے اسے ایک نئی زندگی دیتے ہیں۔

آجکل کے دور میں ایسے رہبر کی ضرورت ہے جو اُمید کو ٹوٹنے نہ دے اور ہمیں زندگی کے امتحانات میں اچھے نمبرز دلانے میں معاون ہو۔ امتحان آدمی کو اپ گریڈ کرنے کیلیے ہوتا ہے۔ لیکن یہ بات صاحب بصیرت لوگوں کو سمجھ آتی ہے۔ تمام اللہ کے برگزیدہ پیغمبر اور اولیاء کرام امتحان کے بغیر کامیاب نہ ہوئے اور نہ ہی اعلیٰ مراتب حاصل کر سکے۔ خدا ہمیں ہمت دے کہ ہم ہر میدان میں سرخرو ہو کر فائز المرام ہوں (آمین)

حضرت عبادؓ بن بشر

رحمتِ عالم ﷺ ایک مرتبہ اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں استراحت فرما تھے۔ پچھلی شب کو آپؐ تہجد پڑھنے کے لیے اُٹھے تو آپؐ کے سمعِ مبارک میں اپنے ایک جاں نثار کے ذکرِ الٰہی کی آواز پڑی۔ آپؐ اُن کی شب بیداری اور شغفِ عبادت سے بہت مسرور ہوئے اور فرمایا: ''اللہ تعالیٰ ان کو بخشش سے نوازے''۔ یہ صاحبِ رسول جن کی شب بیداری سے سید المرسلین ﷺ کو مسرور کیا اور لسانِ رسالتؐ سے جن کی مغفرت چاہی گئی۔ وہ حضرت عبادؓ بن بشر تھے۔

سیدنا حضرت عبادؓ بن بشر کا شمار اکابر صحابہؓ میں ہوتا ہے۔ ان کی کنیت ابو رافع بھی تھی اور ابو بشر بھی۔ وہ قبیلہ اوس کے خاندان عبدالاشہل کے چشم و چراغ تھے۔ نسب نامہ یہ ہے:

عباد بن بشر بن وقش بن زغبہ بن زعوراء بن عبدالاشہل۔

سن ۱۲ بعثت میں حضرت مُصعبؓ بن عمیر اسلام کے مبلغ اول کی حیثیت سے مدینہ آئے تو ان کی تبلیغی مساعی کے نتیجہ میں اوس و خزرج کے بہت سے گھرانوں میں اسلام کا چرچا پھیل گیا۔ ان میں بنو عبدالاشہل کے گھرانے بھی تھے۔ جس دن اس قبیلے کے سردار حضرت سعدؓ بن معاذ نے اسلام قبول کیا اسی دن سارے اہلِ قبیلہ ان کی پیروی میں شرفِ اسلام سے بہرہ ور ہو گئے۔ حضرت عبادؓ بن بشر بھی ان میں شامل تھے۔

رحمتِ عالم ﷺ نے مدینہ منورہ میں نزولِ اجلال فرمایا تو حضرت عبادؓ بن بشر کو گویا دونوں جہانوں کی نعمتیں مل گئیں۔ اپنے وقت کا بیشتر حصہ بارگاہِ رسالت میں گزارتے تھے اور حتی الامکان فیضانِ نبوی سے بہرہ یاب ہونے کی کوشش کرتے تھے۔ حضورؐ سے اپنی عقیدت، محبت اور تحصیل علم کے شوق کی بدولت بہت جلد ان کو بارگاہِ نبوت میں درجۂ تقرب حاصل ہو گیا۔ ہجرت کے چند ماہ بعد حضورؐ نے مہاجرین اور انصار کے مابین مواخات قائم کرائی تو حضرت عبادہؓ کو حضرت ابوحذیفہؓ بن عتبہ کا دینی بھائی بنایا۔ غزوات کا آغاز ہوا تو حضرت عبادؓ بدر سے لے کر تبوک تک تمام غزوات میں بڑے ذوق وشوق سے شریک ہوئے اور ہر معرکے میں اپنی شجاعت اور سرفروشی کے جوہر دکھائے۔

امام بخاریؒ، ابن سعدؒ اور کئی دوسرے اہلِ سیر نے لکھا ہے کہ غزوہ بدر کے بعد مدینہ کا ایک بااثر یہودی کعب بن اشرف نے مسلمانوں کے خلاف دریدہ دہنی کو اپنا وطیرہ بنالیا۔ وہ ایک چرب زبان شاعر تھا اپنے اشعار میں نہ صرف سیدالانام ﷺ کی ہجو کرتا تھا بلکہ کفار کو اہلِ حق کے خلاف ابھارتا بھی تھا۔ اسی جوش میں مکہ پہنچا اور اپنے اشتعال انگیز اشعار سے قریش میں انتقام کی آگ کو اور بھی بھڑکا دیا۔ پھر مدینہ واپس آکر اپنی سرگرمیاں پہلے سے بھی تیز کردیں۔ حضور ﷺ کو اس کی فتنہ انگیزیوں کا علم ہوا تو آپ نے صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت کو حکم دیا کہ اس فتنے کو ختم کرنے کی کوشش کریں۔ حضرت محمدؓ بن مسلمہ انصاری نے حضرت عبادؓ بن بشر اور کچھ دوسرے جانبازوں کو اپنے ساتھ لیا اور کعب بن اشرف کے گھر جا کر اس کو کیفر کردار تک پہنچادیا۔ حافظ ابن عبدالبرؒ کا بیان ہے کہ اس پر حضرت عبادؓ نے چند اشعار کہے جس پر مسرت کا اظہار کیا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اسلام کے ایک بڑے دشمن کو ختم کرنے کی توفیق دی۔ اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عبادؓ بن بشر شعروشاعری کا بھی ذوق رکھتے تھے۔

غزوہ احزاب (۵ ہجری) میں سارے عرب کے دشمنانِ اسلام ایکا کر کے مدینہ منورہ پر حملہ آور ہوئے تھے اور خود شہر کے اندر یہودی بنی قریظہ نے غداری پر کمر باندھ رکھی تھی۔

یہ بڑا پُرآشوب زمانہ تھا۔ صحابہ کرامؓ کو ہر وقت یہ فکر دامن گیر رہتی تھی کہ کہیں دشمنِ اسلام کے ہاتھ سے سرورِ عالم ﷺ کو تکلیف نہ پہنچے۔ ابنِ سعدؒ کا بیان ہے کہ اس زمانے میں حضرت عبادؓ بن بشر چند دوسرے انصاری صحابہؓ کے ساتھ ہر رات حضورؐ کی قیام گاہ پر پہرہ دیتے تھے۔

ذیقعدہ ۶ ہجری میں رحمتِ عالم ﷺ چودہ سو جاں نثاروں کے ہمراہ بیت اللہ کی زیارت وطواف کے لیے مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔ قریش کو اطلاع ملی تو انہوں نے اہلِ حق کی مزاحمت کا ارادہ کرلیا اور خالدؓ بن ولید کو دو سو سوار دے کر مسلمانوں کا راستہ روکنے کے لیے آگے بھیجا۔ حضرت عبادؓ بن بشر نے بیس جانبازوں کے ساتھ اس دستے کا سامنا کیا اور اس کی پیش قدمی میں حائل ہوگئے۔ اس اثناء میں سرورِ عالم ﷺ راستہ بدل کر حدیبیہ کے مقام پر پڑاؤ کیا اور قریش کو پیغام بھیجا کہ ہم صرف عمرہ کرنے آئے ہیں لڑنا مقصود نہیں اس لیے مناسب یہ ہوگا کہ اہلِ مکہ اور مسلمان تھوڑی مدت کے لیے آپس میں صلح کا معاہدہ کرلیں۔ لیکن قریش مزاحمت پر تلے رہے یہاں تک کہ حضورؐ نے حضرت عثمان ذوالنورینؓ کو صلح کی ترغیب دینے کے لیے قریش کے پاس بھیجا۔ قریش نے انہیں مکہ میں روک لیا اس سے مسلمانوں میں سخت تشویش پیدا ہوئی اور جب کسی نے یہ خبر مشہور کردی کہ حضرت عثمانؓ کو قریش نے شہید کرڈالا تو مسلمان جوش وغضب سے بےقرار ہوگئے۔ اسی موقع پر بیعتِ رضوان کا عظیم واقعہ پیش آیا جس میں چودہ سو صحابہ کرامؓ نے حضورؐ کے دستِ مبارک پر لڑنے مرنے اور حضرت عثمانؓ کا انتقام لینے کی بیعت کی۔ اللہ تعالیٰ نے راہِ حق کے ان جانبازوں کو کھلے لفظوں میں اپنی خوشنودی اور جنت کی بشارت دی۔ ان خوش نصیب جوانمردوں میں حضرت عبادؓ بن بشر بھی شامل تھے۔

۸ ہجری میں حضرت عبادؓ کو ان دس ہزار نفوسِ قدسی میں شامل ہونے کا شرف حاصل ہوا جو فتحِ مکہ کے موقع پر رحمتِ عالم ﷺ کے ہمرکاب تھے۔ اس کے بعد انہوں نے حنین اور طائف کے معرکوں میں دادِ شجاعت دی ابن سعدؒ کا بیان ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت عبادؓ بن بشر کو بنو سلیم اور بنو مزینہ سے صدقات وصول کرنے پر مامور فرمایا۔ یہ خدمت انجام دے کر واپس آئے تو حضور ﷺ نے اسی کام

کے لیے انہیں بنو مصطلق میں بھیجا۔ وہاں انہوں نے دس روز قیام کیا اس دوران میں صدقات بھی وصول کیے اور لوگوں کو قرآنِ حکیم اور احکامِ شریعت کی تعلیم بھی دی۔

صحیح بخاری میں روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت عبادؓ بن بشر، حضرت اُسیدؓ بن حُضیر کے ہمراہ بارگاہِ رسالتؐ میں حاضر ہوئے اور حضورؐ کی اقتداء میں عشاء کی نماز پڑھی، کافی دیر کے بعد اپنے گھروں کی طرف لوٹے۔ رات بہت تاریک تھی۔ دونوں کے ہاتھ میں عصا تھا۔ جب حضورؐ سے رخصت ہوئے تو ایک کا عصا روشن ہو گیا، اس کی روشنی میں چلتے رہے۔ جب دونوں کا راستہ جدا ہوا تو دونوں کے عصا روشن ہو گئے۔ اہلِ سیر کا بیان ہے کہ یہ آنحضرت ﷺ کا معجزہ تھا اور ان دونوں بزرگوں کی کرامت۔

غزوۃ الرقاع (۷ ہجری) کے ایام کا واقعہ ہے کہ حضرت عبادؓ بن بشر اور حضرت عمارؓ بن یاسرؓ رات کو قیام گاہ کے پہرے پر مامور تھے۔ دونوں نے آپس میں طے کیا کہ ایک رات کے نصفِ اول میں بیدار رہے اور دوسرا نصفِ آخر میں۔ نصفِ اول کی باری حضرت عبادہؓ کے حصے میں آئی۔ انہوں نے نماز کی نیت باندھ کر سورہ کہف کی تلاوت شروع کی اور حضرت عمارؓ سو گئے۔ اتنے میں کسی کافر نے حضرت عبادؓ بن بشر کو تیر مارا، جس سے خون کا فوارہ چھوٹ پڑا۔ پھر یکے بعد دیگرے دو تیر اور لگے۔ لیکن انہوں نے نماز نہیں چھوڑی۔ مگر جب خون زیادہ ہی بہنے لگا تو انہوں نے سلام پھیر کر حضرت عمارؓ کو جگایا۔ حضرت عمارؓ نے کہا خدا کے بندے! تم نے مجھے پہلے تیر پر ہی جگا دیا ہوتا۔ حضرت عبادؓ بولے، میں نے سورہ کہف شروع کر رکھی تھی جی نہ چاہا کہ اُسے موقوف کر دوں۔

۹ ہجری میں غزوہ تبوک پیش آیا۔ اس زمانے میں سخت خشک سال اور شدت کی گرمی تھی اس کے باوجود تیس ہزار جاں بازوں نے حضورؐ کی ہمرکابی کی سعادت حاصل کی اور نہایت خندہ پیشانی سے بھوک، پیاس، گرمی اور طویل دشوار گزار سفر کی صعوبتیں برداشت کیں۔ اللہ کے ان پاکباز بندوں میں حضرت عبادؓ بن بشر بھی شامل تھے۔ حضورؐ کو ان پر اس قدر اعتماد تھا کہ انہیں تمام

پہرہ داروں کا افسر مقرر فرمادیا تھا۔ چنانچہ وہ رات کو تمام لشکر کے گرد گشت لگا کر اس کی حفاظت کرتے تھے۔

۱۱ھ ہجری میں رحمتِ عالم ﷺ کے وصال کے بعد حضرت ابوبکرؓ خلیفہ مقرر ہوئے تو فتنہ ارتداد اور جھوٹے مدعیانِ نبوت کی وجہ سے نوزائیدہ مملکتِ اسلامیہ سخت مشکلات میں پھنس گئی لیکن اس موقع پر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بے مثال عزم و ہمت سے کام لیا اور مرتدین کے سامنے جھکنے یا انہیں کسی قسم کی رعایت دینے سے صاف انکار کردیا۔ صرف یہی نہیں بلکہ انہوں نے مرتدین کے بر کس بل نکال دیئے۔ اس سلسلہ میں سب سے زیادہ خونریز لڑائی مسیلمہ کذاب کے خلاف یمامہ کے مقام پر لڑی گئی۔ لشکرِ اسلام میں حضرت عبادؓ بن بشر بھی شامل تھے۔ وہ مرتدین کے خلاف سر ہتھیلی پر رکھ کر لڑے۔ آخر بہت سے مرتدین نے انہیں گھیر لیا اور ان پر تیروں، تلواروں اور برچھیوں کا مینہ برسادیا، حضرت عبادؓ نے آخری دم تک تلوار ہاتھ سے نہ چھوڑی اور مردانہ وار لڑتے ہوئے جامِ شہادت پا کر خلدِ بریں میں پہنچ گئے۔ اس وقت ان کی عمر ۴۶ برس کی تھی۔ کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔ حضرت عبادؓ کو روایتِ حدیث کا موقع نہیں ملا اس لیے ان سے صرف دو حدیثیں مروی ہیں۔ ان کی جلالتِ قدر کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ انہیں انصار کے تین بہترین آدمیوں میں سے ایک قرار دیتی تھیں، دوسرے حضرت سعدؓ بن مُعاذ اور حضرت اُسیدؓ بن حُضیر تھے۔

حضرت عبادؓ بن بشر کی زندگی میں سبقت فی الاسلام، اخلاص فی الدین، جذبہ فدویت، حُبِ رسولؐ، دیانت و امانت، شوقِ جہاد اور شغفِ عبادت سب سے نمایاں ابواب ہیں۔ فرائض کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ لوگوں کو قرآن اور شریعت کی تعلیم دینا، رات بھر جاگ کر سرورِ عالم ﷺ اور دوسرے مسلمانوں کی حفاظت کرنا یا عبادتِ الٰہی میں مشغول رہنا اور پھر دن کو شریکِ جہاد ہونا ان کے ایسے اوصاف ہیں۔

باباجی قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب کا خط بنام محمد شعیب کھیڑا (ملتان)

مورخہ 11.03.2012

آپ کا خط ملا، حالات سے آگاہی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو سلسلہ کی تعلیم پر استقامت عطا فرمائے اور روحانیت کے ساتھ ساتھ دُنیوی ترقی بھی عطا فرمائے۔ (آمین) اگرچہ دین اسلام بھی فطرت کے مطابق اور آسان ہے۔ لیکن سو فیصد عمل تو کوئی بھی نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ انسان کو جتنی سمجھ بوجھ اور اہلیت عطا کرتا ہے اسی لحاظ سے اس کو مکلّف کیا گیا ہے۔ انسان کے عقائد درست ہونے چاہئیں اور اس کے اعمال کی سمت ٹھیک ہونی چاہیے۔ پھر اپنی ہمت کے مطابق اس پر عمل کرتا رہے گا تو اللہ اپنے فضل سے اس کی محنت کا پھل ضرور عطا کریگا۔

خود بھائی عمل میں سستی دکھاتے اور محفل ذکر میں باقاعدہ نہیں آتے ان میں دراصل طلب کی کمی ہوتی ہے۔ جن کی لگن سچی ہوتی ہے وہ انتظار میں ہوتے ہیں کہ کب ہفتہ ختم ہو اور ہم اللہ کے ذکر میں شامل ہوں۔ اس کے علاوہ بھی وہ بھائیوں سے ملتے رہتے ہیں تا کہ اللہ تعالیٰ کی بات چیت ہوتی رہے اور سلسلہ کی تعلیم کی یاددہانی ہوتی رہے۔ باہمی ملاقات سے فیض بھی ملتا ہے۔

جس چیز کیلئے دل میں سچی تڑپ اور طلب ہوتی ہے اس کے لئے کوئی کام بھی مشکل نظر نہیں آتا۔ آدمی ہر رکاوٹ کو عبور کر کے آگے بڑھتا چلا جاتا اور کامیاب ہو جاتا ہے۔

سلسلہ توحیدیہ کی تعلیم تو نہایت مختصر اور موثر ہے۔ نہ اس میں کوئی چلّے کاٹنے پڑتے ہیں نہ ہی جنگلوں بیابانوں میں جانے کی ضرورت ہے نہ راتوں کو جاگنا پڑتا ہے بلکہ ایک سچا طالب دنیا کے سارے کام احسن طریقہ سے انجام دیتا اور دنیا کی ساری نعمتوں سے مستفیض ہوتا ہوا روحانی سلوک طے کر سکتا ہے۔ یہی رسول اللہ ﷺ سکھاتے تھے۔ چنانچہ آپ کے صحابہؓ نے نہ غاروں میں چلّے کاٹے نہ ہی دنیا کو چھوڑا۔ سب نے بھرپور متاہل زندگی بسر کی، شادیاں کیں۔ کاروبار کیے، جنگیں لڑیں اور دنیا میں حکمرانی بھی کی اور روحانی طور پر سب سے بلند مرتبہ پر تھے۔

صحبت مردِمومن اور اقبالؒ

(عبدالرشید ساہی)

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں مرد مومن اللہ کے فقیر ہوتے ہیں آدمی بے نظیر ہوتے ہیں یہ صاحب نظر، صاحب حال ہوتے ہیں اور واقف حال ہوتے ہیں اگر اللہ کا کرم ہوجائے اور بخت یاوری کرے تو صرف ان کی ایک نظر سے ہی دل کی دنیا بدل جاتی ہے۔انسان کی زندگی میں ایسا انقلاب برپا ہوجاتا ہے کہ وہ انسان خود حیران ہوجاتا ہے کہ یہ کیسے ہوگیا۔خیالات بدل گئے احساسات بدل گئے جذبات بدل گئے دوستیاں بدل گئیں رشتہ داریاں بدل گئیں اعمال بدل گئے بلکہ زندگی کا سارا ڈھانچہ تبدیل ہوگیا۔خود میرے ساتھ بھی ایسی ہی واردات ہوئی مردمومن کی ایک نگاہ سے ہی At once all the stucture of life تبدیل ہوگیا۔

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں۔

؎ جلا سکتی ہے شمع کشتہ کو موجِ نفس ان کی الٰہی کیا چھپا ہوتا ہے اہل دل کے سینوں میں

زندگی کے مصروف ترین لمحات راہِ خدا اور عشقِ مصطفیٰؐ میں گزارنا ہر کسی کو نصیب نہیں ہوتا اور نہ ہی منزل مقصود ہر کسی کا مقدر بنتی ہے جیسے پھول ہر موسم میں نہیں کھلتے اور کسی بھی انسان کی زندگی میں تسلسل کبھی قائم نہیں رہتا اسی طرح صحبتِ مردمومن بھی ہر کسی کا مقدر نہیں بنتی ۔ جلوہ گری مخصوص اور صاحبِ نصیب لوگوں پر ظاہر ہوتی ہے نبی مکرم ومحترمؐ نے اپنی نگاہِ رحمت عمر بن ہشام یعنی ابوجہل اور عمرؓ بن خطاب دونوں پر ڈالی اور دعا بھی فرمائی مگر نصیب صرف عمرؓ بن خطاب کے جاگے اور وہ عمر فاروقؓ بن گئے صاحبِ نصیب ہوگئے اور نبی رحمت کی محفل کے تارے بن گئے مظلوموں اور غریبوں کے سہارے بن گئے اور اللہ کے منظورِ نظر ہوگئے۔

؎ نگاہِ عشق دلِ زندہ کی تلاش میں ہے شکارِ مردہ سزاوارِ شہباز نہیں

(اقبالؒ)

میاں محمد بخش صاحب اس واردات کا ذکر اپنی تصنیف "سیف الملوک" میں یوں کرتے ہیں۔

؎ لڈیا شاہ تجن دے آکھے سنگ وسارتمامی   خاص تجن دے خانے اندر جاندے نہیں ناں عامی

صحبتِ مردِ مومن سے جو حالت ملتی ہے یہ پڑھنے سننے والی بات نہیں بلکہ دیکھنے والی چیز ہے اس کے جلوے فرد اور جنوں کی سرحدوں پر ہوتے ہیں جہاں اہل عقل کی حد ہے وہاں سے مردِ مومن کی سرحد شروع ہوتی ہے جذب اور سلوک کے درمیان ایک منزل ہے جس کو حال کہتے ہیں۔ مردمومن اس مقام پر ہوتا ہے جہاں قال کی ضرورت ہی نہیں ہوتی وہ ظاہر سے پہلے باطن کی طرف رجوع کرتا ہے نعمت سے منعم کا عرفان حاصل کرتا ہے وہ اپنے آپ کو ذات یکتا کے رنگ میں ایسا رنگ لیتا ہے کہ سوتے جاگتے اسی کے جلوے دیکھتا ہے ذات کبریا کے اسرار و رموز کا رازداں بن جاتا ہے اور اس کی یاد میں فنا ہو جاتا ہے بقول شاعر

؎ خود کو اتنا محو کر لیتا ہوں تیری یاد میں   تو ہی تو ہوتا ہے کوئی دوسرا ہوتا نہیں

موسم بدلتے ہیں زمین و آسماں کے جلوے بدلتے ہیں آغاز و انجام کے رشتے بدلتے ہیں۔ لیکن مردِ مومن نہیں بدلتا وہ غم اور خوشی سے نجات پا چکا ہوتا ہے وہ ماضی، حال اور مستقبل کو ایک ہی زمانہ سمجھتا ہے اس کا وجود انسانوں کے لئے رحمت اور زمانہ کے لئے نعمت ہوتا ہے دانائے راز علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں۔

؎ دمِ عارف نسیمِ صبح دم ہے   اسی سے ریشۂ معنی میں نم ہے
اگر کوئی شعیب آئے میسر   شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

کسی مردمومن کی محفل میں جاتے رہنا چاہئے ایسے لوگوں کی صحبت اختیار کرو جو صبح و شام اللہ کے ذکر میں مشغول رہتے ہیں

بارش جہاں بھی ہوتی ہو وہاں انسان جائے تو ضرور بھیگ جائے گا جیسے سبزی منڈی سے سبزی اور فروٹ منڈی سے فروٹ میسر آتا ہے اسی طرح اللہ والوں کی صحبت اللہ کے پیار کی منڈی ہوتی ہے اگر اللہ کا فضل شامل حال ہو تو ان کی صحبت سے اللہ کا پیار ضرور حاصل ہو جاتا ہے اس نکتہ کو میاں محمد صاحب آف کھڑی شریف یوں بیان فرماتے ہیں۔

؎ چنگیاں لوکاں کی سنگت ایویں جیوں دوکان عطاراں
سودا پاویں مول ناں لیئے ہلے اون ہزاراں
اتے مندیاں لوکاں کی سنگت ایویں جیویں دوکان لوہاراں
کپڑے پاویں کنج کنج بہیے چنگاں پین ہزاراں

مردِ مومن زمین و آسمان کے رشتوں کا مفسر ہوتا ہے اس فنائے دیس میں ملک بقا کا سفیر ہوتا ہے۔ وہ ایسا صاحب جنوں ہوتا ہے جو فرد کی گتھیاں سلجھا چکا ہوتا ہے اس کے سینے میں دل ہوتا ہے جو ذات کبریا کا مسکن ہے علامہ اقبال فرماتے ہیں۔

؎ تیرے سینے میں دم ہے دل نہیں ہے
تیرے دم میں گرمی محفل نہیں ہے
گزر جا عقل سے آگے کہ یہ نور
چراغ راہ ہے منزل نہیں ہے

مردِ مومن کے نزدیک نہ کوئی اپنا ہوتا ہے نہ غیر نہ فراق ہوتا ہے نہ وصال اس کی شدید ترین محبت اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوتی ہے اور وہ اتباع رسول ہاشمیؐ میں زندگی بسر کرتا ہے وہ عالمگیر محبت کا داعی ہوتا ہے نفرت کسی سے نہیں کرتا وہ یاد خدا میں اپنی ہستی کو فنا کر دیتا ہے اس کو نفسانی خواہشوں پر مکمل کنٹرول حاصل ہوتا ہے اور اسے بے پردہ یار نظر آتا ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے "ایسے لوگوں کی محبت اختیار کرو جو صبح و شام میری یاد میں مشغول رہتے ہیں"

ان کی سنگت سے ہی دل کی دنیا بدلتی ہے علامہ فرماتے ہیں

ؔ نگاہ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں
جو ہو ذوقِ یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

ؔ دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذت آشنائی

میرے پیر و مرشد قبلہ ڈار صاحب نے اس کیفیت کو یوں بیان فرمایا ہے

ؔ تیری نگاہ ناز میں میرا وجود بے وجود
میری نگاہ تلاش میں تیرے سوا کوئی نہیں

مردِ مومن ذات اور صفات کے **تعلق** سے آشنا ہوتا ہے وہ جانتا ہے کہ عیاں کا رشتہ و رابطہ ہر حال میں نہاں سے قائم رہتا ہے مردِ مومن خود ہی سوال ہے اور خود ہی اس کا جواب وہ اپنے وجود کے علاوہ بھی موجود رہتا ہے آپ ایک ایسے انسان کا اندازہ کریں جس کی ایک ہتھیلی پر آگ اور دوسری پر برف ہو وہ نہ آگ بجھنے دیتا ہے نہ برف کا انجماد ٹوٹنے دیتا ہے وہ ایک الٰہی جلوہ گاہ میں محو کھڑا ہوتا ہے جہاں آنکھ کی بینائی کا پردہ حائل نہیں ہوتا اس کی پیشانی زمین پر ہو تو سجدہ گاہ آسمان پر ہوتی ہے اس کا دل اس کی آنکھ میں اور آنکھ دل میں ہوتی ہے۔

ؔ ظاہر کی آنکھ سے نہ تماشا کرے کوئی
ہو دیکھنا تو دیدۂ دل وا کرے کوئی

(اقبالؒ)

مردِ مومن کو لامکاں پر تصرف حاصل ہوتا ہے مردِ مومن کوئی انوکھی مخلوق نہیں ہوتا وہ انسان ہے انسانوں کے درمیان رہتا ہے لیکن اس کا اندازِ نظر، اندازِ فکر اور اندازِ عمل دوسرے انسانوں سے جدا ہوتا ہے وہ مجسمہ تسلیم رضا ہوتا ہے قانونِ فطرت کا تابع ہوتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو اللہ اور رسول اللہ کی محبت میں فنا کر چکا ہوتا ہے بقول شاعر

نہ فنا میری نہ فنا تیری   مجھے اے شکیل نہ ڈھونڈیے
میں کسی کا محض خیال ہوں   میرا کچھ وجود عدم نہیں

علامہ اقبال فرماتے ہیں:۔

یہ کسی کو نہیں معلوم کہ مومن   قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن
اس مردِ خدا سے کوئی حقیقت نہیں تجھ کو   تو بندہ آفاق ہے وہ صاحبِ آفاق

ایک اپنے دور کا صاحبِ کتاب پیغمبر موسیٰ علیہ السلام کو مردِ مومن (خضر علیہ اسلام) کی صحبت میں بھیجا گیا مردِ مومن کسی اور زمانے کے واقعات دیکھنے میں مصروف تھا موسیٰ علیہ السلام اپنے زمانے کا حال دیکھ رہے تھے مردِ مومن آپ کی پہچان میں نہ آ سکا کیونکہ اس کو تو ادنیٰ علم پر دسترس حاصل تھی ایک مردِ مومن حضرت سلیمانؑ کے دربار میں بھی موجود تھا جس نے ملکہ بلقیس کا تخت ملک سبا سے ہزاروں میل کی مسافت کے باوجود دربارِ سلیمانی میں لا حاضر کیا۔ ایک مردِ مومن (حضرت عمرؓ) نے دریائے نیل کو خط لکھ کر حکم دیا کہ اپنی روانی برقرار رکھو۔

فیض یہ کس کی نظر کا ہے کرامت کس کی ہے
وہ ہے کہ جس کی نگہ مثل شعاع آفتاب

مردِ مومن کی نگاہ باطن کو روشن کر دیتی ہے کافر کو ایمان عطا کرتی ہے اندھیرے کو روشنی میں بدل دیتی ہے اور خزاں کو بہار عطا کر دیتی ہے ان کی صحبت انسان کو حقیقی لذتوں سے آشنا کر دیتی ہے اللہ کا قرب عطا کرتی ہے اور انسان کو غمِ دوراں سے بے نیاز کر دیا جاتا ہے۔

جب انسانوں نے اللہ سے رشتہ توڑ لیا۔ مال و زر کی فراوانی اور عیش و عشرت کو ہی سب کچھ جان لیا تو روح کی بے قراری میں اضافہ ہو گیا ہوس پرستی روح کو گھائل کر دیتی ہے جیسے جیسے انسان کا رشتہ روح سے کمزور ہوتا ہے وہ خالق حقیقی کی محبت سے دور ہوتا چلا جاتا ہے۔ دنیا میں جنگ و جدل خون ریزی نفرت و حقارت اور بھیانک موت کی تاریکی اس لئے پھیل گئی ہے کہ بنی آدم کی روح بے قرار اور بے چین ہے اسے سکوں اس لئے نہیں ہے کہ اشرف المخلوقات آدم، درندہ بن گیا ہے مال و زر کو اہمیت دیتا ہے نفسانی خواہشوں کی تکمیل کرنے کی کوشش کرتا ہے انسان نے مولیٰ مرضی کا دین چھوڑ کر من مرضی کا مذہب اپنا رکھا ہے اللہ والوں کی محبت سے دور رہتا ہے قرآن کی تعلیم سے دوری اور اتباع رسول اللہ کی پابندی نہ کرنے کی وجہ سے انسان رحمت خداوندی سے محروم ہو چکا ہے علامہ اقبال نے امت مسلمہ کی پستی اور زبوں حالی کی وجہ قرآن سے دوری کچھ اسطرح بیان کی ہے۔

خوار از مہجوری قرآں شدی　　　　شکوہ سنج گردش دوراں شدی

تم تقدیر کو کوستے ہو اور گردش دوراں کے شکوے کرتے ہو حالانکہ تمہاری خواری کی اصل وجہ قرآن سے دوری ہے انسان اس لئے بے چین ہے کہ منافقت اور مکاری اس کی زندگی میں داخل ہو گئی ہے جتنا انسان مکر و فریب سے قریب ہو رہا ہے اللہ کی محبت اور قربت سے دور ہو رہا ہے انسان جب اپنی منافقت سے پردہ اٹھائے گا تو اسے اپنا چہرہ بھیانک نظر آئے گا۔ ماحول زہر آلود ہو گا تو انسان کیوں بیمار نہیں ہوں گے جب اللہ اور اس کی مخلوق سے محبت ہمارے اندر نہیں ہو گی تو ہم کبھی خوش نہیں رہیں گے خوش نہیں ہوں گے تو سکون نہیں ملے گا اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے۔

اَلا بِذکرِ اللّٰہ تطمئن القلوب　　　　خبردار اللہ کے ذکر سے دلوں کو سکون ملتا ہے۔

محترم سامعین علامہ اقبال فرماتے ہیں

آغوش صدف جس کے نصیبوں میں نہیں ہے
وہ قطرۂ نیساں کبھی بنتا نہیں گوہر

دیکھنے اور سوچنے والی بات یہ ہے کہ اس کائنات میں مردِ مومن بنانے والی نگاہ ضرور کارفرما ہے کوئی ہے اس پردے کے پیچھے کسی کا ہاتھ ضرور ہے جو ان لوگوں کو حال عطا کرتا ہے کوئی ایسی ذات موجود ہے جس کا قرب انسان کو مردِ مومن بنا دیتا ہے ایسی ذات جو نظر ملا کر انسان کو بدل کر رکھ دیتی ہے دیکھنے والے بے خبر رہتے ہیں اور بدلنے والا بدل چکا ہوتا ہے وہ ذات علم لدنی کے خزانے لوٹاتی ہے اور پھر مردِ مومن جہاں جہاں سے گزرے راستے جگمگا اٹھتے ہیں۔

ے جانتا ہوں تیری اسوہ گری کو اے ساقی
کام کرتی ہے نظر نام ہے پیمانے کا

علامہ اقبال فرماتے ہیں۔

ے ملے گا منزلِ مقصود کا نشاں اسی کو سراغ
اندھیری شب میں ہے چیتے کی آنکھ جس کا چراغ

اللہ والوں کی محبت انسان کو اللہ والا بنا دیتی ہے نصیب جگا دیتی ہے قلندری عطا کرتی ہے غوث، قطب اور ابدال کے مقامات تک پہنچا دیتی ہے مقدر کا ستارہ عروج پر جائے تو مجدد وقت بنا دیا جاتا ہے۔ دوسری طرف ہمارے علماء حضرات ہیں جو کہ خدا کے خوف سے بے نیاز ہو کر ملت کو ٹکڑوں اور فرقوں میں تبدیل کر رہے ہیں اور انہیں عالمی سامراج کا تر نوالہ بنانے کے چکر میں ہیں عالمی مزاج نے جب بھی مسلمانوں کو سزا دی ہے بطور سنی اور شیعہ مقلد اور غیر مقلد نہیں اور نہ سوڈانی ترکی ایرانی سمجھ کر بلکہ امت کو اپنا ہدف بنایا ہے علامہ اقبال فرماتے ہیں۔

ے ملا اے کم نظر امت میں پھوٹ ڈالی
تسبیح مصطفےٰ ہے صدیوں سے دانہ دانہ
اقبال مدرسوں نے دانش تو عام کر دی
کم یاب ہو گیا ہے جذب قلندرانہ

افسوس ہم نے زندگی کے ہر شعبہ میں لوٹ کھسوٹ اور بدنامی کو اپنایا ہے۔ اولیاء اللہ کی محبتیں چھوڑ کر سٹیج ڈراموں اور سینما گھروں کو رونق بخشی ہے اپنی اسلامی اقدار کی بجائے فرنگی تہذیب کو اپنایا ہے۔ ہمیں سابقہ گناہوں سے توبہ کر کے اللہ کی طرف رجوع کر لینا چاہئے اور اپنی زندگی کو اللہ اور رسول اللہ کے حکموں کے مطابق بسر کرنا چاہئے **مرکز تعمیر ملت** نے مسلمانوں کی فلاح اور انسانی خدمت کا کام اپنا رکھا ہے یہاں ہر روح کی تسکین کے جام پلائے جاتے ہیں۔

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ ان کو
ید بیضاء لئے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

جلانا ہے مجھے ہر شمع دل کو سوز پنہاں سے
تیری تاریک راتوں میں چراغاں کر کے چھوڑ ونگا

فرامینِ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ

(اقتباس از چراغِ راہ خطبہ-2)

☆......حلقہ کا ہر ایک آدمی نیا ہو یا پرانا روحانی قوت کی ترقی کے ساتھ ساتھ اپنے اخلاق کی مزید اصلاح کرے۔ آپ لوگ خلقِ خدا کی محبت اور خدمت کے جذبہ کو اور زیادہ ترقی دیں۔ ہمیشہ حق پر چلنے کی کوشش کریں اور قوتِ برداشت کو اور زیادہ بڑھائیں۔

☆...... اجتماعات (سالانہ کنونشن) کا فائدہ انہی لوگوں اور انہی جماعتوں کو ہوتا ہے جو ان اجتماعات میں منظور ہونے والی تجاویز پر کماحقہ عمل کرتے ہیں۔

☆......یاد رکھیے کہ میں باتیں پسند نہیں کرتا بلکہ عمل چاہتا ہوں۔

انقلاب کا نقطہء آغاز

(مولانا محمد یوسف اصلاحی)

سماج میں اپنے نقطہء نظر کے مطابق خوشگوار انقلاب لانے کی راہ یہ نہیں ہے کہ آپ سماج کے لوگوں کو بدل ڈالنے کی مہم سے اپنے کام کا آغاز کریں۔ اصلاح اور انقلاب کا آغاز دوسروں کی بدل ڈالنے کی مہم سے کرنا حماقت ونادانی ہے، فکری فریب بھی اور وقت کا ضیاع بھی۔ خوب سمجھ لیجئے آپ کے مطلوب انقلاب کا نقطہ آغاز آپ کی ذات ہے نہ کہ دوسروں کی ذات۔ اگر آپ اپنی آرزوؤں، تمناؤں اور نصب العین میں واقعی سنجیدہ اور مخلص ہیں تو اپنی مہم کا آغاز اپنی ذات سے کیجئے۔ اصلاح ہمیشہ اپنی ذات سے شروع ہوتی ہے۔ آپ جو توقعات دوسروں سے کرتے ہیں وہ توقعات خود پوری کر کے دکھایئے۔ جو حسنِ سلوک آپ دوسروں سے چاہتے ہیں اس حسنِ سلوک کا خود مظاہرہ کیجیے۔ جو اچھائیاں آپ دوسروں کی زندگیوں میں دیکھنا چاہتے ہیں وہ خوبیاں اپنی زندگی میں پیدا کیجیے۔ آپ اپنے معاشرے کے دوسرے لوگوں کے عمل و کردار میں جو خوشگوار تبدیلیوں کے خواہاں ہیں وہ خوشگوار تبدیلیاں اپنی زندگی میں پیدا کر کے دکھایئے اور کسی وقت بھی اس حقیقت کو ذہن سے اوجھل نہ ہونے دیجیے کہ انقلاب کا نقطہ آغاز فی الواقع اپنی ذات ہے۔ دوسروں کی ذات سے اس مہم کا آغاز کرنے والے دوسروں کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں۔ لیکن درحقیقت وہ خود کو دھوکہ دے رہے ہیں اور سمجھتے نہیں۔

آپ جانتے ہیں فکر و عمل کا حقیقی محرک انسان کے جذبات ہوتے ہیں اور جذبات دل میں جنم لیتے ہیں اور یہ واضح حقیقت ہے کہ دوسروں کے سینوں میں دھڑکنے والے دل پر آپ کا کوئی اختیار نہیں۔ پھر آپ کے بس میں یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ آپ لوگوں کی زندگیاں بدل ڈالیں اور انکی زندگی میں وہ انقلاب پیدا کریں جو آپ کو مطلوب ہے۔ زیادہ سے زیادہ جو آپ کر سکتے ہیں وہ یہی ہے تو ہے کہ اچھائی برائی کا تعارف کرادیں، اچھائی کو ذہن نشین کرانے کے لئے اپنے

ذہن وزبان کی قوت استعمال کریں۔لیکن حق کو دوسروں کے دل میں اتار دینا اور نیکی کو دوسروں کے دل کا فیصلہ اور جذبہ بنا دینا نہ آپ کے بس میں ہے اور نہ اللہ نے آپ کی یہ ذمہ داری قرار دی ہے۔البتہ آپ کی یہ ذمہ داری ضرور قرار دی گئی ہے کہ آپ اپنے آپ کو بدل ڈالیں۔آپ کے سینے میں جو دل دھڑک رہا ہے وہ آپکا اپنا دل ہے،آپ کے اپنے وجود کا ایک اہم حصہ ہے۔اس پر خدا نے اختیار دے رکھا ہے اور آپ کی یہ ذمہ داری بتائی گئی ہے کہ آپ اس کو اپنے زاویہ فکر کے مطابق بدل ڈالیں۔اللہ کا ارشاد ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ (المائدہ ۵:۱۰۵)

(اے ایمان والو!تم پر تمھاری اپنی ذات کی ذمہ داری ہے۔اگر تم راستی اور ہدایت پر قائم رہو تو دوسروں کی گمراہی تمھیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی)۔

یہ حقیقت سورج سے زیادہ روشن ہے کہ آپ پر دوسروں کو بدل ڈالنے اور ہدایت پر لے آنے کی ذمہ داری ہرگز نہیں ڈالی گئی ہے۔اور آپ پر تو خیر یہ ذمہ داری کیا ڈالی جاتی خود پیغمبروں پر بھی یہ ذمہ داری نہیں ڈالی گئی ہے کہ وہ وہ لوگوں کی زندگیاں بدل دیں اور چارو ناچار ان کو راہ ہدایت پر ڈال دیں۔

قرآن نے رسول ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے بہت واضح انداز میں کہا ہے:

اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ (القصص ۲۸:۵۶)

(آپ جسے چاہیں اس کو ہدایت نہیں دے سکتے بلکہ اللہ ہی جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے)

جب پیغمبر اور رسول کی ذمہ داری یہ نہیں ہے کہ وہ دوسروں کو راہ ہدایت پر لگا دیں اور نہ یہ اختیار حاصل ہے کہ کسی کا دل بدل ڈالیں تو پھر عام انسانوں کی یہ ذمہ داری بھلا کیسے ہو سکتی ہے اور یہ اختیار انھیں کیوں کر حاصل ہو سکتا ہے۔پیغمبروں سے کہا گیا ہے، **اِنَّ عليكَ البلاغ**

آپ کے ذمہ تو صرف پہنچا دینا ہے۔یعنی دوسروں کے سلسلے میں یہ ذمہ داری صرف اسی قدر ہے کہ آپ حق کو واضح انداز میں پہنچا دیں۔حق کو قبول کرا دینے کی نہ پیغمبر پر ذمہ داری ڈالی گئی ہے اور نہ اسے اس کا اختیار ہی حاصل ہے پھر بھلا عام انسانوں کی یہ ذمہ داری کیسے قرار دی جا سکتی ہے۔اس تفصیل سے نفس کو یہ غذا ہرگز حاصل نہ کرنے دیجیے کہ ہم پر صرف اپنی ذمہ داری ہے۔ دعوت و تبلیغ میں کیوں وقت صرف کریں۔جی نہیں!اس وضاحت سے یہ مطلب اخذ کرنے کا موقع نفس کو ہرگز نہ دیجیے۔بات یہ نہیں کہی جارہی ہے کہ آپ دعوت و تبلیغ کو مہم نہ چلائیں،خوشگوار انقلاب لانے کی کوشش نہ کریں،اصلاح کی جد وجہد سے باز رہیں۔یہ تو آپ کی منصبی ذمہ داری ہے۔ دعوت و تبلیغ کا کام تو آپ کو کرنا ہی ہے۔اصلاح و انقلاب کے کام کا آغاز دوسروں کی ذات سے نہیں بلکہ اپنی ذات سے کیجیے۔یہی طرزِ فکر ہے اور اسی طرح اس مہم میں کامیابی بھی ممکن ہے۔ خود فراموشی کے جرم میں مبتلا لوگ ہرگز دعوت و تذکیر کا فریضہ انجام نہیں دے سکتے اور انکی کوششوں سے ہرگز مطلوبہ انقلاب رونما نہیں ہو سکتا اور اگر بالفرض کچھ سعید روحوں نے ان کی آواز پر کان دھرا اور اس مہم میں لگ کر کچھ تبدیلی لے بھی آئے تو ان لوگوں کا اس انقلاب میں کوئی حصہ نہیں ہے جن کی اپنی زندگیاں اس خوشگوار انقلاب سے محروم ہیں____ بلکہ اس طرح تو آپ کا جرم تو دہرا ہو جاتا ہے کہ دوسروں کو خوبیاں اپنانے اور زندگیاں سنوارنے کی تلقین کریں اور اپنی زندگی بدستور غلط طرز پر گزرتی رہے۔

آپ جب یہ رونا روتے ہیں کہ ماحول بہت خراب ہے رشتہ داروں نے آپ کو بہت دکھ پہنچائے، متعلقین نے آپ کو بہت اذیتیں دیں،پڑوسیوں نے آپ کو بہت تکلیفیں پہنچائیں، احباب اور شرکاء کار نے آپ کے ساتھ وہ کچھ کیا جس کی آپ کو ان سے توقع نہ تھی۔بزرگوں اور رہنماؤں نے سرد مہری کا وہ رویہ اختیار کیا جس کا آپکو تصور نہ تھا، چھوٹوں نے آپ کے ساتھ بد سلوکی اور نافرمانی کا رویہ ایسا اختیار کیا جس کی آپ کو اُمید نہ تھی۔آپ اپنے اس دکھ کا اظہار

کرتے ہیں تو ہم آپ کو معذور تصور کرتے ہیں اور یہ سوچتے ہیں کہ آپ کا غم بجا ہے دل جب دکھتا ہے تو خواہی نہ خواہی زبان سے اظہار ہو ہی جاتا ہے۔

لیکن کبھی آپ نے یوں بھی سوچنے کی زحمت گوارا فرمائی کہ جب رشتے داروں نے آپ کو دکھ پہنچائے تو کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ آپ کی ذات سے بھی انھیں اسی طرح اذیت دی ہو۔ پڑوسیوں سے اگر آپ کو تکلیفیں پہنچی ہیں تو کہیں ایسا تو نہیں کہ آپ نے بھی ان کی توقعات پوری نہ کی ہوں۔

بزرگوں اور رہنماؤں نے اگر آپ کے ساتھ سرد مہری اور ناانصافی کا سلوک کیا ہے تو کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ آپ بھی اپنے چھوٹوں کے ساتھ اسی طرح سرد مہری اور ناانصافی کا سلوک کر رہے ہوں۔

اب آپ چاہتے ہیں کہ سماج سے یہ تکلیف دہ مناظر ختم ہوں، حسنِ عمل اور حسنِ اخلاق کا چرچا ہو اور کوئی کسی کو تکلیف نہ پہنچائے بلکہ سماج میں ہر ایک حسنِ سلوک کا پیکر بن جائے اور سماج میں ایسا خوشگوار انقلاب آئے جس میں ناانصافی، زیادتی، فساد، نافرمانی اور حق تلفی کا نام و نشان نہ رہے تو یہ بلا شبہ آپ کی یہ آرزو بڑی پاک ہے آپ کی زندگی میں اگر یہ آرزو نہ ہو تو آپ زندگی سے آپ کی موت اچھی ہے۔ لیکن اس پاکیزہ آرزو کی تکمیل کے لئے صحیح طریقہ یہ نہیں ہے کہ آپ اصلاح و انقلاب کے لئے دوسروں کی زندگیوں پر محنت سے اپنا کام شروع کر دیں، اس مہم کا آغاز اپنی ذات سے کیجیے اور پوری قوت کے ساتھ ہر ایک ذہن میں یہ بات جمایئے کہ اس مہم کا آغاز اپنی ذات سے ہی ہوتا ہے نہ کہ دوسروں کی ذات سے۔ انقلاب کا نقطہء آغاز اپنی زندگی ہے دوسروں کی زندگی نہیں۔

پھر تصور کریں کہ اس سماج کا جس کا ہر فرد اپنی اصلاح کا حریص ہو، دوسروں کی بجائے اپنے آپ کو بدل ڈالنے میں جُتا ہوا ہو پھر ایسے افراد جن کا اصل مرکزِ فکر اپنی ذات کی اصلاح و تربیت ہو اور جو شب و روز اسی فکر میں لگے ہوں۔ خواہ وہ گھریلو زندگی میں ہوں یا معاشی میدان

میں، عبادت وریاضت کا معاملہ ہو یا خاندان اور برادری کا، کاروباری شریکوں کے مسائل ہوں یا محلے پڑوس کے، مال ودولت کا کوئی معاملہ ہو یا جاگیرداری اور زمین کا، غرض زندگی کا کوئی میدان ہو اور کوئی مسئلہ اور معاملہ ہو، انھیں دوسروں کی اصلاح سے زیادہ اپنی اصلاح کی فکر ہو۔ آپ غور کیجیے! جب دوسروں کو بدل ڈالنے کا جذبہ اپنے کو بدل دینے کے جذبہ میں تبدیل ہو جائے۔ ہر فرد کے دل میں یہ نقطہ گھر کر جائے کہ آغاز اپنی ذات سے ہوتا ہے اور پورے سماج میں یہ اندازِ فکر عام ہو جائے تو اس معاشرہ میں کیسا خوشگوار انقلاب آئیگا۔ پورے معاشرہ کا نقشہ کس قدر دل آویز اور مسرّت انگیز ہوگا اور انقلاب کی یہ مہم کس قدر آسان ہو جائیگی۔ دراصل کوئی بھی مقصد ہو وہ اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب اس کیلئے صحیح رُخ سے کوشش کی جائے اور اس تک پہنچنے کیلئے کسی غلط راہ کا انتخاب نہ کیا جائے۔

خوشگوار انقلاب لانے کی کوشش کرنے والے اگر ناکام رہ کر مایوسی کا شکار ہوتے ہیں تو اسکی یہ وجہ ہرگز نہیں کہ اللہ کے بندوں میں قبولِ حق کی صلاحیت ختم ہو گئی ہے۔ انسان کی فطرت خیر پسند ہے خیر کو قبول کرنے والی سعید روحیں ہر دور میں، ہر سماج میں ہوتی ہیں۔ اور ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ سارے انسانوں کے سینے نیکی، آرزو اور محبت سے یکسر خالی ہو جائیں۔

ناکامی اور مایوسی کی وجہ دراصل یہ ہوتی ہے انقلاب کی پاکیزہ خواہش رکھنے والے اپنی مہم کا آغاز غلط نقطے سے کرتے ہیں۔ انقلاب کی مہم اپنے وجود میں سر کی جاتی ہے اور وہ دوسروں کے وجود سے اس کا آغاز کرتے ہیں۔ انقلاب کے خوشگوار اثرات پہلے اپنی زندگیوں میں پیدا کرنے ہوتے ہیں اور وہ ان اثرات کو دوسروں کی زندگیوں میں پیدا کرنے کی غیر فطری کوشش کرتے ہیں۔ صفائی کے محاسن بیان کرنے والے اگر خود گندے ہوں تو یہ بھی حقیقت ہے کہ ان کی باتوں پر کوئی کان نہ دھرے اور اس سے زیادہ بھیانک بات یہ ہے کہ جس صفائی کی آرزو میں وہ تڑپ رہے ہیں اس سے انکی اپنی زندگی محروم ہے۔ ایسے خدا فراموش لوگوں کا انسانی تاریخ میں کبھی کوئی کارنامہ رہا ہے اور نہ آئندہ کبھی اس کی توقع کی جا سکتی ہے۔

اندازِ فکر بدلیے

(سائرہ شوکت علی)

اے ماؤں، بہنو، بیٹیو! دنیا کی زینت تم سے ہے ملکوں کی بستی ہو تمہی قوموں کی عزت تم سے ہے۔عورت جسے ایک وقت میں اگر جنس لطیف، وجہ سکون اور صنف نازک کے خوبصورت الفاظ سے تعبیر کیا گیا تو دوسرے ہی لمحے اسے لونڈی، داشتہ اور وجہ شر و فساد بھی قرار دیا گیا۔عورت کے لفظی معنی تو پردہ کے ہیں یہ الگ بات ہے کہ دورِ حاضر میں اِسے ایک اشتہار بنا دیا گیا ہے۔جو کبھی گھر کی زینت تھی اسے آج شمع محفل بنا دیا گیا ہے۔

اگر ہم بالعموم پوری دنیا اور بالخصوص برصغیر میں عورت کی حیثیت کا جائزہ لیں تو عورت کو عورت ہونے پر شرمندگی ہوتی ہے۔ہندو مذہب میں عورت کو عیاری اور مکاری کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ہر شیطانی کام کے پس پردہ کوئی نہ کوئی عورت کارفرما ہوتی ہے۔

افسوس کی بات تو یہ ہے کہ ہندوؤں کے ساتھ کئی صدیاں گزار کر ہم لاشعوری طور پر ان کا اندازِ فکر اپنا چکے ہیں۔بھارتی میڈیا تو ایک طرف اب پاکستانی میڈیا میں بھی عورتوں کو چالیں چلتے گھر تباہ کرتے اور مکر و فریب کا پیکر ہی دکھایا جاتا ہے۔ہمارے معاشرے میں عورت کی بات کو اہمیت نہ دینا باعث فخر ہے۔دوسری جانب ہندوؤں کی مخالفت میں مسلمانوں کا ایک طبقہ اس مذہبی انتہاپسندی کو پہنچ گیا ہے کہ انہوں نے ایسا پردہ رائج کیا کہ جس کی وجہ سے قوم کی تقریباً نصف تعداد اپاہج اور بیکار ہو کر رہ گئی ہے۔دراصل ہمارا معاشرہ دو گروہوں میں بٹ گیا ہے۔ایک مغرب زدہ طبقہ، دوسرا انتہاپسند مذہبی طبقہ۔مغربیت سے متاثر مردوں نے تو عورت کی تعظیم کو ہی ختم کر دیا ہے۔یہ طبقہ عورتوں کو Protection تو دیتا ہے مگر Protocoal نہیں۔

دوسری طرف انتہاپسند مذہبی طبقہ ہے جن کے نزدیک عورت کا پہلا اور آخری مسئلہ صرف پردہ ہے۔اس طبقہ کے عورتوں کے متعلق نظریات ہندوؤں سے کچھ خاص مختلف نہیں۔یہ ہمیشہ عورتوں کے گناہ گنوانے اور اسے کم عقل ثابت کرنے میں توانائیاں صرف کرتے ہیں۔

یہ تصویر کا صرف ایک رُخ ہے لیکن اگر ہم کھلے ذہن کے ساتھ تاریخ اسلام کا مطالعہ کریں تو پتہ چلتا ہے کہ جید صحابہ کرام بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مشورہ وراہنمائی حاصل کیا کرتے تھے۔ اس بات میں بھی کوئی شک نہیں کہ احادیث رسولؐ اور سنت رسولؐ کا بہت بڑا حصہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے توسط سے ہم تک پہنچا اور پوری مسلم اُمہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی ذہانت کی قیامت تک معترف رہے گی۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم جب عورتوں سے بیعت لیا کرتے تو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے بعد زیادہ زور سماجی بُرائیوں سے بچنے پر دیتے مثلاً غیبت، جھوٹ، ایک دوسرے کو بُرے ناموں سے پکارنا، اپنی اولاد کو مُفلسی کے ڈر سے قتل کرنا وغیرہ۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عورتیں بھی سماج اور معاشرے میں اپنا کردار ادا کرتی ہیں۔ وہ قیدی نہیں جنہیں گھر میں بند رکھا جائے۔ گھروں میں بند رکھنے کا حکم صرف ان عورتوں کے لیے ہے جن سے بے حیائی کا کوئی کام سرزد ہوا ہو اور چار مسلمانوں نے ان کے خلاف گواہی دی ہو۔ ورنہ مردوں کا فرض ہے کہ اپنی عورتوں کو پردہ دار لباس میں اپنے ساتھ باہر لے جائیں اور ہر اُس چیز سے روشناس کرائیں جس سے ان کی عقل وتجربہ میں اضافہ ہو۔ مختصر عورت تو ایک آبگینہ اور متاع محبوب ہے۔

بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے اپنی کتاب تعمیر ملت میں عورت اور پردے کے حوالے سے اس قرآنی آیت کا بہت خوبصورت مفہوم بیان کیا ہے۔ ”عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں“

ظاہر ہے کہ کھیتی اور کسان میں کسی حیثیت سے بھی کوئی مساوات نہیں ہے۔ لیکن کھیتی سے زیادہ کسی کسان کو اور کوئی چیز پیاری بھی نہیں ہوسکتی۔ کھیتی اصل اور بنیاد ہے۔ تمام دولتوں کی قیمتی مکانات وملبوسات، سونا چاندی، روپیہ پیسہ اور ہیرے جواہرات سب کھیتی ہی سے حاصل کئے جاتے ہیں۔ غلہ نہ ہو تو انسان سونا چاندی یا ہیرے جواہرات کھا کر زندہ نہیں رہ سکتا۔ ایک کسان مہینوں اپنا خون پسینہ ایک کرکے دن رات کی محنت ومشقت سے اپنی کھیتی کی خدمت ونگرانی کرتا ہے تب جا کر اس سے متمتع ہوتا ہے۔

اگر آپ بھی عورت کو کم عقل اور گنہگار سمجھتے ہیں تو خدارا اپنا انداز فکر بدلیے اور حقیقی اسلامی تعلیمات کو اپنایئے۔ اللہ تعالیٰ اور اسکے رسولؐ نے عورتوں کے لئے پردے اور ستر کی جو حدود وقیود مقرر کی ہیں ان پر سختی سے عمل کیا جائے۔ لیکن قرآن واحادیث کے مطابق عورت کو گھر سے باہر نکلنے کی جن حالات میں اجازت دی ہے اس سے روکنا بھی کسی طرح جائز نہیں ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ اور آپ کے تربیت یافتہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کے دور میں عورتوں کو ماں، بہن، بیوی اور بیٹی کی حیثیت سے جو تقدس اور خصوصی رُتبہ ملا اس کا عشرِ عشیر ترقی یافتہ مغربی تہذیب کی عورت بھی حاصل نہیں کر سکی۔ اس لئے اہل اسلام کو مغرب کی طرف نہیں دیکھنا چاہئے۔ بلکہ قرآنی تعلیمات کو اپنا کر انکے لئے بھی ایک قابلِ عمل مثال پیش کرنی چاہیے۔ یہی اسلام کی مؤثر ترین تبلیغ کا ذریعہ ہے۔ جو لوگ اس راہ کو اپنائیں گے وہ نہ صرف اپنی زندگیوں کو سنواریں گے بلکہ دوسروں کی اصلاح وفلاح کا ذریعہ بن کر اللہ تعالیٰ سے اجرِ عظیم پائیں گے۔

فرامینِ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ

(اقتباس از چراغِ راہ خطبہ-2)

"میرے خیال میں تو اتنی بات سبھی جانتے ہیں کہ انسان کی تمام شرافت اور ساری بڑائی صرف اس اصول پر منحصر ہے کہ وہ جن باتوں کو خود اپنی مرضی اور خوشی سے اپنے اوپر لازم کر لے ان پر دل وجان سے عمل کرے اور کتنی ہی رکاوٹیں راہ میں حائل کیوں نہ ہوں سب کو ٹھکراتا ہوا آگے بڑھتا چلا جائے۔ جو فرد یا جماعت ایسا نہیں کرتی وہ کبھی اپنے مقاصد میں کامیاب نہیں ہو سکتی۔ آج کے کے خطبہ میری سب سے بڑی نصیحت آپ کو یہی ہے کہ آپ عمل کرنے کی عادت ڈالیں اور یاد رکھیں کہ عمل زندگی ہے اور بے عملی موت۔"

زندگی (علامہ اقبالؒ)

انتخاب: شہزاد محمود

برتر از اندیشۂ سود و زیاں ہے زندگی
ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیمِ جاں زندگی

تو اسے پیمانہ امروز و فردا سے نہ ناپ
جاوداں پیہم رواں ، ہر دم جواں ہے زندگی

اپنی دنیا آپ پیدا کراگر زندوں میں ہے
سرِ آدم ہے ضمیرِ کن فکاں ہے زندگی

زندگانی کی حقیقت کوہ کن کے دل سے پوچھ
جوئے شیر و تیشہ و سنگِ گراں ہے زندگی

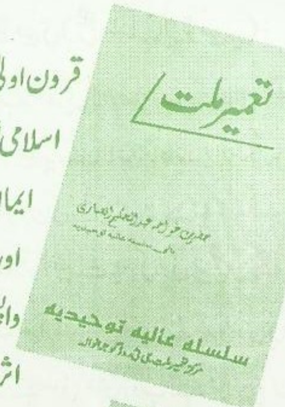
بندگی میں گھٹ کے رہ جاتی ہے اک جوئے کم آب
اور آزادی میں بحرِ بے کراں ہے زندگی

آشکارا ہے یہ اپنی قوت تسخیر سے
گرچہ اک مٹی کے پیکر میں نہاں ہے زندگی

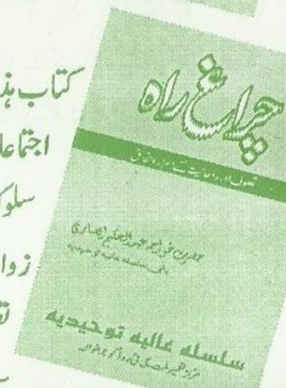
قُلزمِ ہستی سے تو اُبھرا ہے مانندِ حباب !
اس زیاں خانے میں تیرا امتحان ہے زندگی

اس شمارے میں

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی شہرہ آفاق تصانیف



قرون اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال وانحطاط کی وجوہات اسلامی تصوف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک کے ادوار ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ عالم روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ کا محل وقوع اوران کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح کا دنیا میں آنا اور واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اوراخلاق وآداب کے اسرار ورموز اور نفسیاتی اثرات، امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے واضح لائحہ عمل۔



کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے سالانہ اجتماعات پر ارشاد فرمائے اسمیں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔
سلوک وتصوف میں ذاتی تجربات، مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔
زوال امت میں امراء، علماء، صوفیا کا کردار۔ علماء اور صوفیاء کے طریق اصلاح کا فرق۔
تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اور تصوف کے انسانی زندگی پر اثرات۔
سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔



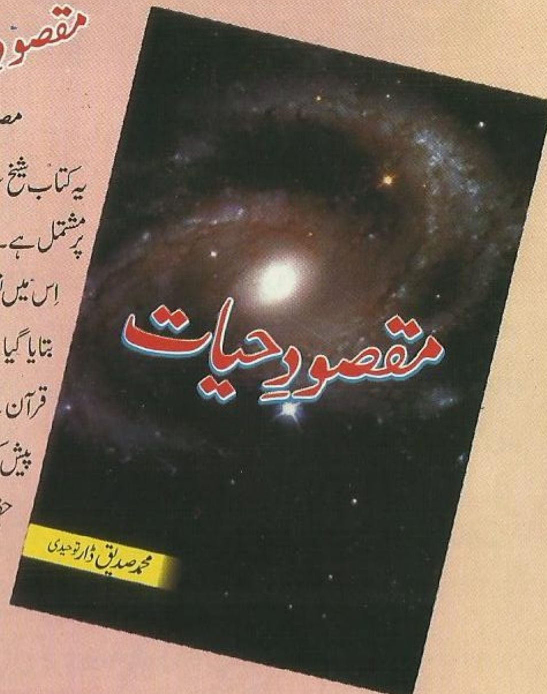
یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔ اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے طریقے تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جولوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں یہ کتاب ضرور پڑھنی چاہئے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کی تاریخ میں پہلی مرتبہ فقیری کا مکمل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کردیا ہے۔ اس میں وہ تمام اوراد و اذکار اور اعمال واشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کردیئے ہیں جس پر عمل کرکے ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کرسکتا ہے۔



وحدت الوجود کے موضوع پر یہ مختصر سی کتاب نہایت ہی اہم دستاویز ہے۔
مصنفؒ نے وحدت الوجود کی کیفیت اور روحانی مشاہدہ کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان زبان میں بیان کردیا ہے۔ آپ نے جن دیگر موضوعات پر روشنی ڈالی ہے وہ یہ ہیں:۔
حضرت مجدد الف ثانیؒ کا نظریہ وحدت الشہود، انسان کی بقا اور ترقی کیلئے دین کی اہمیت اور ناگزیریت، بنیادی سوال جس نے نظریہ وحدت الوجود کو جنم دیا اور روحانی سلوک کے دوران بزرگان عظام کو ہوجانے والی غلط فہمیاں۔

مکتبہ توحیدیہ کی مطبوعات

مقصودِ حیات

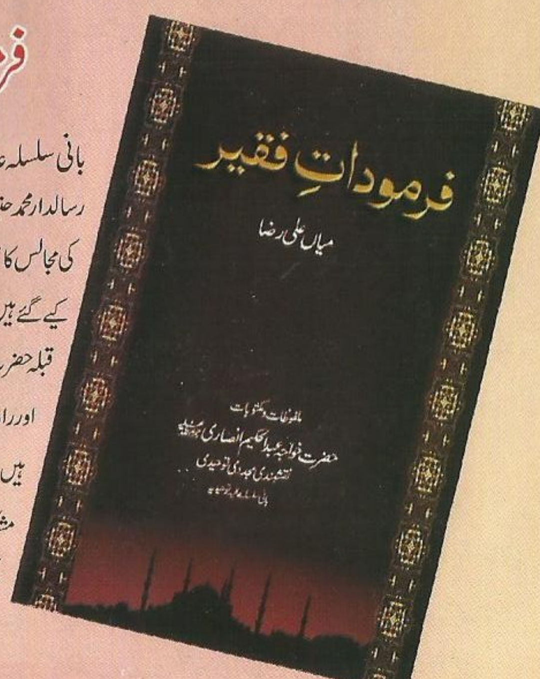


مصنف: محمد صدیق ڈار توحیدی (شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ)

یہ کتاب شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب کے سالانہ خطبات پر مشتمل ہے۔ جو انہوں نے سلسلہ توحیدیہ کے سالانہ اجتماعات پر ارشاد فرمائے۔ اس میں تصوف کی تعلیمات کو قرآن کی روشنی میں ثابت کیا گیا ہے۔ اور یہ بتایا گیا ہے کہ تصوف اسلام اور قرآن سے باہر کی کوئی چیز نہیں بلکہ یہ عین قرآن کے احکامات کا نام ہے اور قرآن جس طرح کے بندہ مومن کی تصویر پیش کرتا ہے وہ بلاشبہ ایک سچے صوفی کا ہی روپ ہے۔ قرآن پاک کے حقیقی پیغام کو آسان پیرائے میں سمجھنے کیلئے یہ کتاب سالکانِ راہ حق کیلئے ایک نعمت غیر مترقبہ ہے۔

فرموداتِ فقیر

مرتب: میاں علی رضا



بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ، خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ اور آپکے دوست اور محسن رسالدار محمد حنیف خاںؒ کی سوانح حیات کیساتھ اِس کتاب میں قبلہ انصاری صاحبؒ کی مجالس کا تذکرہ اور اپنے مریدوں کو مختلف اوقات میں لکھے ہوئے خطوط شامل کیے گئے ہیں۔

قبلہ حضرت کی مجالس میں بیان کیے گئے چھوٹے چھوٹے واقعات نہایت سبق آموز اور راہ سلوک کے مسافروں کے علاوہ عام قارئین کیلئے بھی یکساں دلچسپی کا باعث ہیں۔ آپکے لکھے ہوئے جوابی خطوط میں بھائیوں کیلئے دینی و دنیاوی اور روحانی مشکلات کے حل کا سامان موجود ہے۔ نہ صرف اِن کیلئے جن کو یہ خطوط لکھے گئے بلکہ اب بھی ہر پڑھنے والے کیلئے فائدے کا سبب ہیں۔

Reg: SR - 01

Website: www.toheedia.net